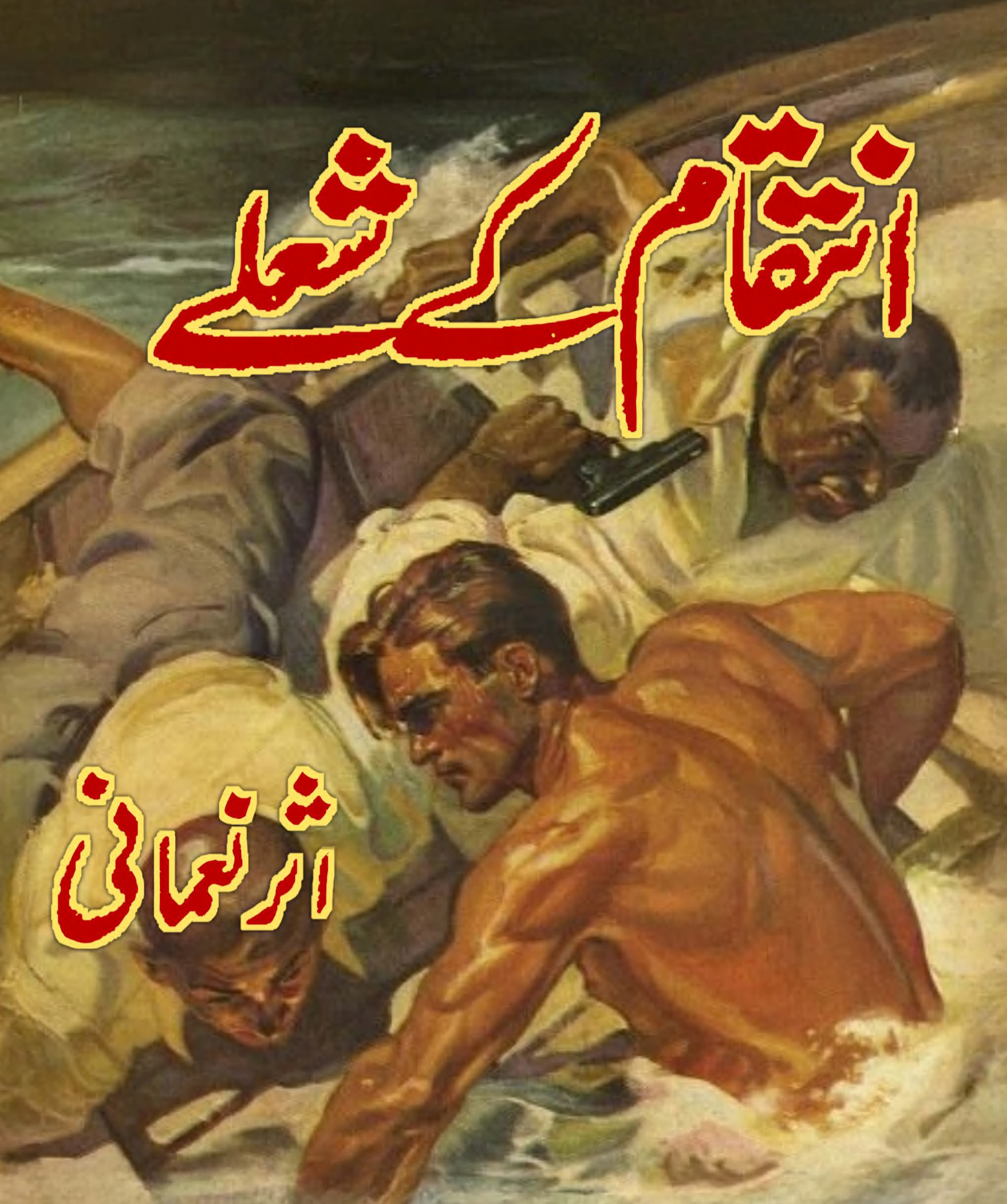
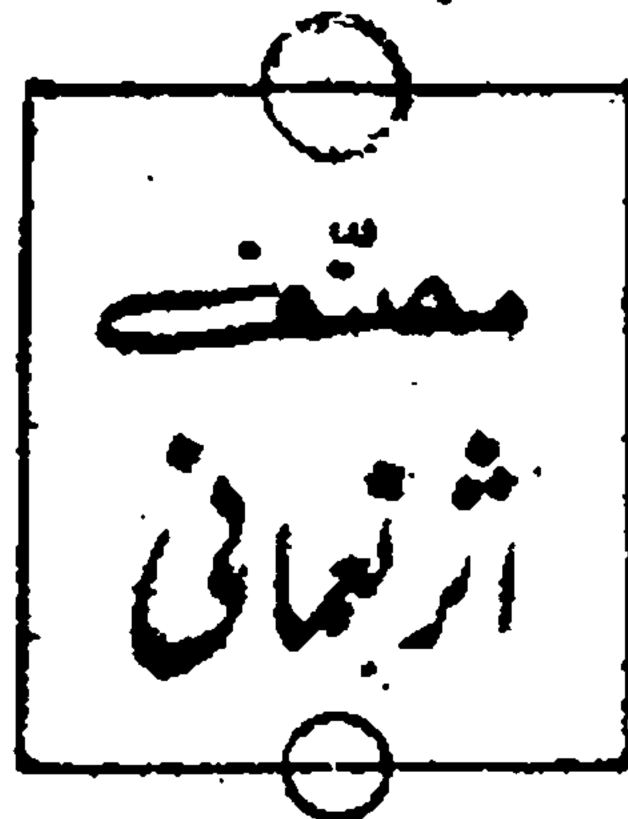
جاسوسی دنیا ۔ ۱



جاسوسی دنیا ۱

انتقام کے شعلے



مصنف

اثر نعمانی

قیمت

دو روپے

اعوان پبلشرز

گوالمنڈی پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱ راولپنڈی

(مطبوعہ محبوب پرنٹنگ پریس راولپنڈی)

جاسوسی پنجہ اور سسپنس کے شمارے

خونی سرنگ	اکرم الہ آبادی	۳/-
پُر اسرار لکیریں	”	۱/۵۰
روحوں کی لکیریں	”	”
پروفیسر کا اغوا	”	”
پروفیسر نکولا	”	”
موت کی آواز	”	”
جنونی قاتل	”	”
ٹیپال کا جادوگر	”	”
پلیپی ۴۷	”	”
خونی اسمگلر	اکرم الہ آبادی	۲/-
تہہ خانہ کی تباہی	”	”
خونی بارش	”	”
چمگادڑ کی بیٹی	”	۲/۵۰
آپریشن رنیس	”	”
خونی ڈاکٹر	”	۲/۲۵
ڈیلی ڈارلنگ	ابن صفی	۱/۵۰

عمران سیریز کے تحت اثر نعمانی کا نیا ناول

پاگل عورتیں

قیمت ۲/= روپے

گرد پوش سہ رنگا ہاف ٹون کتابت و طباعت دیدہ زیب، چھپ کر منظر عام پر آگیا ہے

اعوان پبلی کیشنز

گوالمنڈی ۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱ راولپنڈی

جاسوسی پنجہ و سسپنس کے سابقہ شمارے

بارودی کا بھوت ۔ اکرم الہ آبادی	۲/۵۰	تیسرا پاگل ۔ عارف مارہروی	۱/-
روحوں کا مزار ״ ״	۱/-	زہر کا پھول ״ ״	״
چلتی لاشیں ״ ״	״	بھٹکتی روحیں ״ ״	״
حسین نقشے ״ ״	״	مردے کا ہنگامہ ״ ״	״
دائمی نور ״ ״	״	شعلے اور لاشیں ״ ״	״
آخری لمحے کی روشنی ۔ عارف مارہروی	״	ایمان کے دیوتا ״ ״	״
خوفناک شرطیں ״ ״	״	گمشدہ امیر ۔ سر آرتھر کانن ڈائل	״
دو لاشیں ״ ״	״	موت کی لاشیں ۔ قاضی مشتاق احمد	״
دوہری سازش ״ ״	״	مگرمچھ کے آنسو ۔ ایم صدیق	״

مسرور جہاں کا نیا گھریلو اصلاحی ناول

تاباں

قیمت ۴/۵۰

"تاباں"

دراصل ہمارے موجودہ معاشرے کی بنیاد پر لکھا گیا ہے وہ معاشرہ جہاں دولت کے بل پر محبت خریدی جاتی ہے رشتے ہموار کئے جاتے ہیں۔ انسانوں کو بہکایا جاتا ہے اور جہاں بیکسی اور لاچاری عورت کی سب سے بڑی کمزوری بن جاتی ہے

مصنفہ کے دیگر ناول

رضیہ	=/۹ روپے	خالدہ	=/۶ روپے	طاہرہ	۷/۵۰ روپے
راشدہ	۶/۷۵ ،	رقیہ	۴/۵۰ ،	ارم	۶/۷۵ ،
کنول	=/۴ ،	روبینہ	=/۵ ،	سائرہ	=/۹ ،

اعوان پبلیکیشنز

گوالمنڈی، پوسٹ بکس نمبر ۱۳۱ راولپنڈی

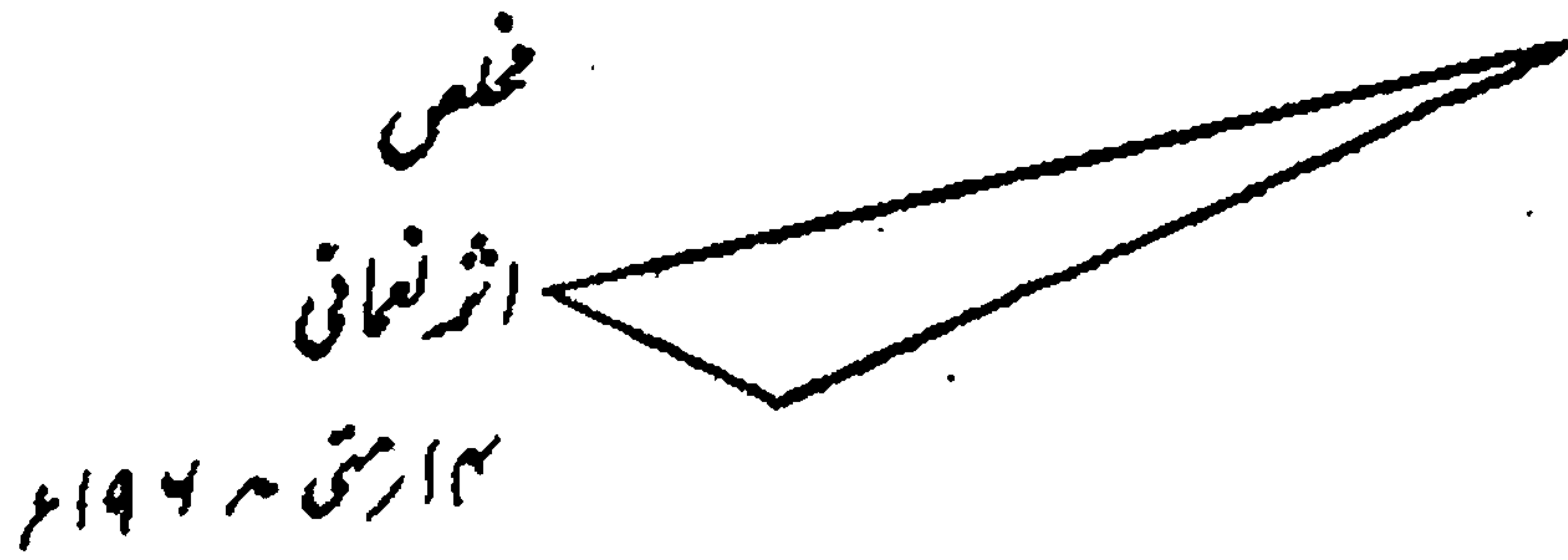
پیش رس

فریدی کا یہ پہلا ناول پیش کرتے ہوئے میں کچھ زیادہ خوش نہیں ہوں اس کی وجہ یہ نہیں کہ میں ناول کے ساتھ محنت نہیں کر سکا بلکہ یہ ہے کہ میری تمام عرق ریزیوں کا حاصل سارا کا سارا میرا نہیں۔ اس کے کرداروں پر ابن صفی صاحب کی چھاپ لگی ہوئی ہے۔ میں کتنا ہی اچھا کیوں نہ لکھوں مجھے خوشہ چیں ہی کہا اور سمجھا جائے گا۔ یہ تعریف اس شخص کے لئے جو نقل ہی کو اپنے فن کی معراج سمجھتا ہے تو کافی ہو سکتی ہے مگر ایک ایسے لکھنے والے کے لئے جس کا قلم خود تخلیقی صلاحیت رکھتا ہو فخر و مباہات کا باعث نہیں بن سکتی۔

مگر میں اپنے پڑھنے والوں سے مایوس نہیں ہوں مجھے یقین ہے کہ جب میری تحریریں آپ کا اعتماد حاصل کر لیں گی تو آپ خود نئے کرداروں پر لکھنے کا مطالبہ کریں گے۔ اور اس وقت یقیناً اکوان صاحب بھی اس مطالبہ سے انکار نہیں کر سکیں گے۔

جہاں تک موجودہ ناول کا تعلق ہے تو وہ آپ کے ہاتھوں میں ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ اسے کہیں بھی غیر دلچسپ نہیں پائیں گے۔

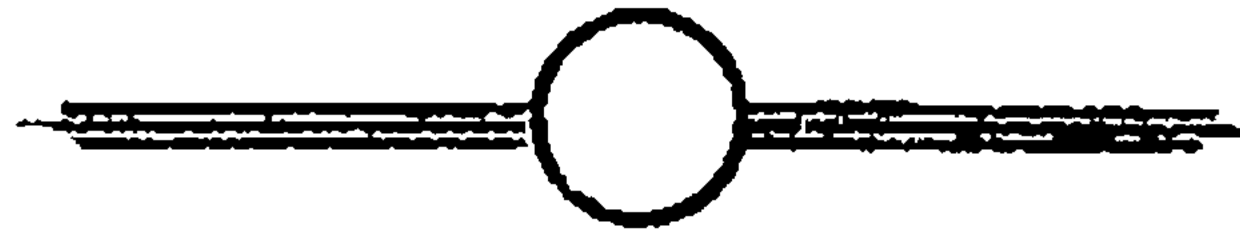
میں اپنے ناظرین کے ذوق کا ممنون رہوں گا اگر آپ خالص تنقیدی انداز میں ناول کا جائزہ لے کر مجھے ایک خط لکھنے کی زحمت گوارا کریں۔



مخلص

اثر نعمانی

۱۴ر مئی ۱۹۶۸ء





قاسم کسی کڑکڑ مرغی کی طرح منہ پھلائے ہولڈال کے بند باندھ رہا تھا۔ ساتھ ہی منہ ہی منہ میں بڑبڑاتا بھی جا رہا تھا ۔

"دوست بنے ہیں سالے ۔ یہاں تو حمید بھائی کہتے کہتے زبان سوکھتی ہے اور حمید بھائی سالے کے مزاج ہی نہیں ملتے ۔ بیوقوف ہی سمجھتے ہیں بالکل ۔"

حمید دوسری برتھ پر بے تکلفی کے انداز میں بیٹھا ہوا کسی میگزین کی ورق گردانی کر رہا تھا۔ ویسے قاسم کا روٹھنا کچھ بے وجہ بھی نہ تھا ۔ کسی سرکاری کام کے سلسلہ میں حمید کو جام نگر جانا پڑا تھا۔ تفریح کے لئے اس نے قاسم کو ساتھ لے لیا تھا۔ مگر یہاں جام نگر آتا ہوا ثابت ہوا کہ حمید پر جھنجھلاہٹ سوار ہو گئی دوسری طرف قاسم نے زیادہ سنجیدہ رہنے کے لئے حمید کے کان کھانے شروع کر دیئے ۔ نتیجہ یہ کہ جب تک جام نگر میں قیام رہا صبح شام کھٹ پٹ ہوتی رہی ۔ واپس چلے تو شامت اعمال سے کہیں قاسم نے نالیا حمید کو چڑھانے کیلئے ہی الاپنا شروع کر دیا ۔ آتے بھی ہم گئے بھی ہم ختم فسانہ ہو گیا۔ اس پر بھی حمید خاموش رہا تو قاسم نے دوسرا الاپ لیا وہ دن ہوا ہوئے قریب نہ

غلاب تھا۔ حمید کی جان سلگ گئی۔

"ابے او بھینسے" وہ جھنجھلا کر بولا "میں نے خوشامد تو نہیں کی تھی کہ ضرور میرے ساتھ چلو۔"

"جا زبان سنبھال،" قاسم اُٹھ کر بیٹھ گیا "بھینسے تم خود۔ میں تو کہہ رہا تھا کہ ہاتے ہاتے اب کوئی لڑکی حمید بھائی کو بھی گھانس نہیں ڈالتی۔ گھر سے کہہ کر نکلے تھے کہ دو چار بڑی تگڑی لڑکیاں لیں گی جا آ رہے تھا۔ مگر ہوا کیا۔ ہاتے ترسے حمید بھائی کی ایسی کی تیسی۔" قاسم اچھل پڑا تھا گویا کسی کھٹمل نے کاٹ لیا تھا اور آخری فقرہ اس کی شان میں کہا گیا تھا۔

"کیا" حمید نے آنکھیں نکالیں۔

"اے میں کوئی تمہیں تھوڑی کہہ رہا تھا۔" قاسم جلدی سے بولا۔

"آئندہ سے تمہیں ساتھ لے جانے والے پر لعنت" حمید بگڑ کر بولا "سارے سفر کا مزہ کرکرا کر دیا۔"

"تو یہاں کون تمہارے ساتھ جانے کے لئے مرا جا تا ہے۔ اللہ قسم ایک سے ایک تگڑی تل تلوٹیاں چاہوں تو گھر بیٹھے بلا سکتا ہوں۔"

"ضرور،" حمید نے چڑایا "آجکل کوئی لڑکی ہاتھی کے گلے میں پٹہ باندھ کر گھومنے نہیں نکلتی۔ دعا دو مجھے کہ صورت دیکھنے اور بات کرنے کا موقع تو مل جاتا ہے ورنہ تمہاری قسمت میں تو وہ گھہری خانم ہی لکھی تھی۔"

"اے جاؤ" قاسم ہاتھ نچا کر بولا "مر گئے دعا دینے والے اور ان کی دم میں گھسی گھہری خانم۔"

"تو پھر کیوں لگے پھرتے ہو میرے ساتھ"

"یہ بات ہے تو جو اَب کی تمہارے ساتھ جائے تو سور کا منہ ہو اُس تا"

"ساتھ تو اَب بھی جا رہے ہو"

"تاؤ مت دلاؤ حمید بھائی ورنہ ابھی اُتر جاؤں گا ہاں"

"جی ہاں ایسے ہی تو تیس مار خاں ہوتا" حمید نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ بات ہے تو لو یہ دیکھو" قاسم ایک دم کھڑا ہو گیا۔ ہولڈال بستر سمیت برتھ پر پھیلا ہوا تھا۔ کوٹ پتلون جوتے تھرماس اور ایسی ہی متفرق اشیاء جو باہر رکھی ہوئی تھیں ایک ایک کر کے ہولڈال میں پھینکنا شروع کر دیں۔ ذہنی رو بہک چکی تھی۔ اتنا ہوش بھی نہ تھا کہ سلیپنگ سوٹ اتار کر کوٹ پتلون پہن لے بس ایک ایک چیز اٹھا کر رکھ رہا تھا اور کہتا جا رہا تھا "یہ دیکھو" "یہ دیکھو" "اور یہ بھی دیکھو"

"بھئی واہ۔ اس وقت تو سچ مچ تیس مار خاں ہی لگ رہے ہو" حمید نے اور ہوا دی" وہ تھرماس رہ گئی"

"لو سالی تم بھی مرو" قاسم نے تھرماس اٹھا کر ہولڈال پر پٹخ دی۔

"تو واقعی اتر رہے ہو۔۔۔؟" حمید نے پوچھا

"تمہیں تو محتاج کر رہا ہوں" قاسم ہولڈال کے بند باندھنے لگا۔

"اگلی مرتبہ ساتھ چلو گے۔۔۔؟"

"آج تھو ساتھ چلنے والے پر"

"ایک مرتبہ پھر سوچ لو کہیں بعد میں خوشامد نہ کرتے پھرو"

"تیل لینے گئے خوشامد کرنے والے،" قاسم اکڑا ہوا تھا "دیکھ لینا اب کی بار اکیلا ہی جاؤں گا اور ایسی ایسی لڑکیاں پھانسوں گا کہ تم بھی سالے یاد کرو گے۔"

حمید خوش تھا کہ چلو اسی بہانے جان چھوٹی۔ کمپارٹمنٹ میں وہ دونوں ہی تھے پانچ چھ گھنٹے کا سفر رہ گیا تھا اور حمید فریدی کا سامنا ہونے سے پہلے چند گھنٹے کی نیند لے کر تازہ دم ہو جانا چاہتا تھا۔ قاسم نے ہولڈال باندھ کر ایک طرف ڈالا اور خود روٹھے ہوئے انداز میں دوسری طرف منہ کر کے کھڑکی کے باہر دیکھنے لگا۔

ٹرین کی رفتار ہلکی ہونے لگی شاید کوئی اسٹیشن آ رہا تھا۔ حمید دل ہی دل میں دعا مانگنے لگا کہ کوئی دوسری بلا نازل نہ ہو جائے۔ ٹرین ایکسپریس تھی اور جام نگر سے آ رہی تھی جہاں آجکل سیزن شباب پر تھا۔ چنانچہ جانے والی ٹرینوں پر تل دھرنے کی جگہ نہ ملتی اور آنے والی گاڑیاں عموماً خالی ہی رہتیں۔ حمید کو اطمینان تھا کہ قاسم کے جانے کے بعد مزے سے چادر تان کر سو سکے گا۔ گردن کھڑکی سے نکال کر اس نے اسٹیشن کا نام معلوم کرنا چاہا۔ ٹرین پلیٹ فارم میں داخل ہو رہی تھی پیچھے بھاگتے ہوئے پتھر پر اس نے پڑھا "چنیسری گھاٹ"۔

چنیسری گھاٹ ایک خاصا بڑا جنکشن تھا۔ گرگام کے ہل اسٹیشن جانے کے لئے یہاں ٹرین بدلنا پڑتی تھی حمید نے سوچا کہ اگر اس مرتبہ چھٹیاں مل گئیں تو گرگام کی سیر بری نہیں رہے گی۔ اس نے منہ پھیر کر قاسم کو دیکھا جو ٹرین کے رکنے سے پہلے ہی دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ادھر ٹرین رکی ادھر قاسم ایک ہاتھ میں ہولڈال اور دوسرے میں اٹیچی کیس سنبھالے پلیٹ فارم

پر اتر گیا۔

"تم پہنچتے ہی خیریت کا خط ضرور بھیج دینا۔" حمید نے پکارا مگر شاید قاسم نے سنا بھی نہیں۔ حمید نے اٹھ کر کمپارٹمنٹ کا دروازہ بند کیا۔ مگر ابھی برتھ کی طرف ایک دو قدم ہی اٹھائے تھے کہ دروازہ ایک دھماکے سے دوبارہ کھول دیا گیا۔ حمید نے پلٹ کر دیکھا تو ایک قلی سامان اٹھائے اندر گھس رہا تھا۔

"کہاں چلے آ رہے ہو۔ یہ ڈبہ ریزرو ہے۔" حمید بولا۔

مگر قلی اطمینان سے سامان اتار رہا تھا۔ حمید کا پارہ چڑھ گیا۔

"ابے سنتا نہیں میں کیا کہہ رہا ہوں۔" وہ قلی کی طرف بڑھا "یہ ڈبہ ریزرو ہے۔"

"ضرور ہو گا صاحب۔" قلی ہولڈال کھول کر برتھ پر پھیلانے لگا۔ حمید جھنا گیا۔ چاہتا تھا کہ گریبان پکڑ کر قلی کے ایک گھونسہ رسید کرے کہ ایک لڑکی ڈبہ میں داخل ہوئی اور حمید کی آنکھیں چوندھیا گئیں۔ ہاتھ اٹھا کا اٹھا ہی رہ گیا۔

"کیا بات ہے قلی" وہ قلی سے مخاطب ہوئی۔ حمید کے کانوں میں چاندی کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ آنے والی سچ مچ بلا کی حسین تھی اور پھر اس پہ ہلکے آسمانی رنگ کی زرنگار ساڑھی۔ حمید کو محسوس ہوا جیسے پورے کمپارٹمنٹ میں قوس و قزح کے رنگ بکھر گئے ہوں۔

"صاحب کہہ رہے ہیں کہ ڈبہ ریزرو ہے۔" قلی نے جواب دیا۔

"جی ہاں، جی ہاں۔" حمید تھوک نگل کر بولا۔

"مگر باہر ریزرویشن کی کوئی چٹ نہیں لگی ہے۔" لڑکی اب حمید کی طرف

دیکھ رہی تھی ۔

" گھر گئی ہوگی محترمہ " حمید نے سنبھل کر لاپرواہی سے کہا ۔

" اگر یہ بات ہے تو پھر مجھے اسں کمپارٹمنٹ کی برتھ نمبر ۴ کا ٹکٹ کیوں دیا گیا یہ دیکھئے"

لڑکی نے پرس کھول کر ایک کاغذ حمید کی جانب بڑھایا ۔ حمید نے دیکھا واقعی کمپارٹمنٹ "سی"

کی چار نمبر برتھ مس مہ جبیں احمد کے نام ریزرو کی گئی تھی ۔ تو صاحبزادی کا نام مہ جبیں ہے

حمید نے سوچا ۔

" آپ کی سیٹ کمپارٹمنٹ "جی" میں محفوظ کی گئی ہے " حمید کاغذ واپس کرتے ہوئے

بولا " یہ "سی" کمپارٹمنٹ ہے "

" میری سیٹ بھی "سی" کمپارٹمنٹ میں ہے "

" جی نہیں "جی" میں ہے ۔ "

" مگر اس میں صاف طور سے "سی" لکھا ہے " لڑکی نے کاغذ کی طرف اشارہ کیا ۔

" اپنی آنکھوں کا علاج کرایئے محترمہ ! وہ سی نہیں جی ہے ۔ "

" علاج تو مجھے آپ کے دماغ کا کرانا پڑے گا " لڑکی کو غصہ آ گیا " بہر حال میری

سیٹ اسی کمپارٹمنٹ میں ہے اور میں یہیں بیٹھوں گی ۔ "

" کمپارٹمنٹ اگر سی بھی لکھا ہو تب بھی یہ ریزرویشن سلپ آپ کے نام کی نہیں ہے"

حمید نے دوسرا پینترا بدلا ۔

" کیا مطلب "

" یہ سلپ کسی حسین احمد صاحب کے نام پر بنائی گئی ہے " حمید نے جبیں کو حسین

بنا دیا ۔

"میں پوچھ سکتی ہوں جناب کی تعلیم کہاں تک ہے" لڑکی کے لہجے میں تمسخر تھا۔
"تھامسکا یونیورسٹی سے گریجویشن کیا ہے محترمہ اور آپ جیسی لڑکیوں کو ابھی کئی سال پڑھا سکتا ہوں" حمید اکڑ کر بولا۔
"بی بی جی پیسے۔ دیجئے وسل ہو چکی ہے" قلی اس جھگڑے سے تنگ آچکا تھا۔
"اوہ ہاں یہ لو" لڑکی نے پرس سے ایک روپیہ کا نوٹ نکال کر قلی کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ "اور سنو ذرا ٹکٹ چیکر یا گارڈ صاحب کو یہاں بھیج دینا"
"خوب" حمید بولا "تو آپ گارڈ کے ساتھ سفر کرتی ہیں ٹھیک ہے آپ کو حفاظت کی ضرورت بھی ہے"
"شٹ اپ" لڑکی چلائی "میں اپنی حفاظت خود کرنا جانتی ہوں"
قلی سلام کر کے اتر گیا اور اس کے اترتے ہی ٹرین نے بھی ایک جھٹکے سے رینگنا شروع کر دیا۔
"اب آپ نازل ہو گئی ہیں محترمہ" حمید ایک گہری سانس لے کر بولا "تو براہ کرم بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ میں کچھ دیر سونا چاہتا ہوں۔"
"آخر آپ اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہیں" لڑکی کی بھویں تن گئیں "میری طرف سے جہنم میں جائیں"
"مگر آپ وہاں بھی پیچھا نہ چھوڑیں گی" حمید نے مایوسی سے سر ہلایا اور آکر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ لڑکی بھی ایک شاہی بے نیازی سے اپنی چیزیں درست کرنے لگی حمید کے لئے ایک اتنی حسین ہمسفر کی موجودگی میں سونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا مگر وہ سوچ رہا تھا کہ لڑکی بہت تیز معلوم ہوتی ہے آسانی سے رام نہیں ہوگی

اگلا اسٹیشن کم سے کم ڈیڑھ گھنٹہ بعد آتا ہے۔ سوچتے سوچتے حمید کی نگاہ کھونٹی پہ لٹکے ہوئے اپنے کوٹ کی جانب گئی اور آپ ہی آپ ایک عجیب سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آگئی۔ اس نے کن آنکھوں سے لڑکی کی جانب دیکھا جو اس وقت کھڑکی سے ٹیک لگائے بظاہر کسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک تھی۔

حمید خاموشی سے اُٹھا کھونٹی سے کوٹ اتار کر پہن لیا۔ کوٹ اتارا تو اس کے پیچھے لٹکی ہوئی تھرماس نظر آگئی۔ کچھ سوچ کر اس نے تھرماس بھی اتار لی۔

" کافی سے شوق فرمائیں گی " حمید نے اس انداز سے کہا جیسے وہ لڑکی کی بجائے کمپارٹمنٹ کی دیواروں سے مخاطب ہو۔

" جی نہیں، شکریہ! " لڑکی کا لہجہ اکھڑا اکھڑا تھا۔

" آپ کی مرضی " حمید نے کہا " ویسے بھوتوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے "

" کون سے بھوت، باتوں کے یا لاتوں کے " حمید کو لڑکی کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔

" معاف کیجئے میرا مطلب آپ سے یا آپ کے اہلِ خاندان سے نہیں تھا " حمید نے سادگی سے کہا " میں ان بھوتوں کے بارے میں پوچھ رہا تھا جنہیں راتوں کے بھوت کہا جاتا ہے مگر وہ ظالم دن میں بھی نکلنے سے باز نہیں آتے۔ "

" اوہ میں اب سمجھی آپ اپنے بارے میں پوچھ رہے ہیں " لڑکی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا " سردست میرا آپ کے بارے میں کوئی خیال نہیں ہے "

" خیر یہ تو اپنے اپنے خیال کی بات ہے " حمید بھی جواباً مسکرایا " مگر شاید آپ نے اس پر غور نہیں کیا کہ یہ ٹرین جام نگر سے چلی آرہی ہے پھر بھی اس فسٹ کلاس

کے ڈبہ میں میرے علاوہ کوئی مسافر نہیں ہے "

" اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ دوسرے مسافر آپ کے اس ڈبہ ریزرو ہونے والے فریب میں آگئے ہوں گے" لڑکی نے جواب دیا " مگر ٹھہریئے ایک شخص کو تو شاید میں نے اسی ڈبہ سے اترتے دیکھا تھا "

" ضرور دیکھا ہوگا " حمید نے سر ہلایا " مگر آپ نے اس کے حلیہ پر بھی غور کیا تھا۔"

" حلیہ " لڑکی کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ظاہر ہوتے " اب آپ نے کہا تو مجھے خیال آیا واقعی اس کا حلیہ عجیب تھا۔ میں نے سوچا بھی تھا کہ یہ کون احمق ہے کہ فسٹ کلاس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

" کمپارٹمنٹ سے سلیپنگ سوٹ پہنے اس طرح بھاگ رہا ہے" حمید نے لڑکی کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

" آخر آپ کہنا کیا چاہتے ہیں ۔"

" یہی کہ کوئی تو وجہ ہوگی کہ وہ شریف آدمی اس ڈبہ سے یوں رسی تڑا کر بھاگا۔"

" آپ کا مطلب ہے کہ وہ وجہ آپ ہیں " لڑکی اب بھی سنجیدہ نہیں تھی۔

" جی نہیں بھوت " حمید پُراسرار لہجہ میں بولا " یہ کمپارٹمنٹ آسیب زدہ ہے "

" آپ مجھے ڈرانے کی کوشش کر رہے ہیں "

" جی نہیں سمجھانے کی ۔ ڈبہ ریزرو ہونے کا بہانہ بھی اسی لئے کیا تھا

ظاہر ہے کہ میں ہر شخص کو سمجھانے کھڑا ہو بھی جاؤں تو ٹرین اتنی دیر کھڑی نہیں رہ سکتی۔ مجبوراً یہ ہی کہنا پڑتا ہے کہ ڈبہ ریزرو ہے۔"

"یہ بات ہے تو پھر آپ کی موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔"

"میں ریسرچ اسکالر ہوں اور بھوتوں پر ریسرچ کر رہا ہوں" حمید بڑی سنجیدگی سے گفتگو کر رہا تھا "سنا تھا کہ عوامی ایکسپریس کا ایک فسٹ کلاس کمپارٹمنٹ آسیب زدہ ہے۔ چنانچہ مجھے اس ڈبہ میں سفر کرنے کا موقع خاص طور پر فراہم کیا گیا ہے۔"

"پھر آپ نے کچھ دیکھا" لڑکی اب دلچسپی لینے لگی تھی۔

"جی ہاں کل شام کی بات ہے ٹرین کو جامنگر سے چلے کوئی ایک گھنٹہ ہوا تھا میں منہ ہاتھ دھو کر غسل خانے کے آئینہ کے سامنے کھڑا بال درست کر رہا تھا اور منہ سے سیٹی بجاتے ہوئے ایک انگریزی دھن کی کاپی کرنے کی کوشش میں تھا ظاہر ہے کہ آئینہ میں میرا عکس بھی سیٹی بجا رہا تھا مگر مجھے تعجب تو اس وقت ہوا جب میں نے سیٹی بجانا بند کر دی آپ یقین کریں کہ میرا عکس بدستور سیٹی بجاتا رہا۔ کچھ پریشان سا ہو کر میں واپس مڑا تو عکس ڈانٹ کر بولا اپنے بال تو ٹھیک کر لے۔"

"نہیں" لڑکی کے لہجہ میں حیرت تھی۔

"اور سنیئے" حمید مزے سے بولا "رات کے کوئی بارہ بجے اچانک ڈبہ کی بجلی بند ہو گئی میں نے کچھ خیال نہیں کیا کیونکہ ٹرین اس وقت ایک اسٹیشن پر کھڑی ہوئی تھی اور عموماً کوئی بوگی لگاتے یا کاٹتے وقت ریلوے

اسٹاف بجلی کا کنکشن آف کر دیتا ہے مگر ٹھیک اسی وقت کوئی ڈبہ کا دروازہ کھول کر اندر گھسا۔ دوسری طرف سے میں اُٹھ کر باہر آ رہا تھا چنانچہ ٹکر ہو گئی میرے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ اندھیرے میں کسی نے پوچھا کیا بات ہے آپ ڈر تو نہیں گئے۔ میں نے کہا جی ہاں بات تو کچھ ایسی ہی ہے معاف کیجیے گا میں آپ کو بھوت سمجھا تھا۔ وہ بولا تو اور میں کیا ہوں بس یہ کہہ کر غائب ہو گیا۔"

"اوہ آپ تو سچ مچ مجھے ڈراتے دے رہے ہیں۔ لڑکی گھبرا کر بولی۔

"یہ تھرماس دیکھ رہی ہیں آپ" حمید اس کی بات پر توجہ دیئے بغیر اپنی دھن میں کہے جا رہا تھا "شام سے اب تک کوئی بارہ پیالی کافی اس سے نکال کر پی چکا ہوں۔ خالی کر دیتا ہوں مگر گھنٹہ دو گھنٹہ بعد پھر کھولتا ہوں تو پھر اوپر تک بھری ہوئی ملتی ہے۔ پچھلے اسٹیشن پر سگرٹ کی خالی ڈبیہ کے دھوکے میں لائٹر باہر پھینک دیا۔ لپک کر اٹھانے جا رہا تھا کہ پیچھے سے کسی کی آواز آئی کہاں جا رہے ہو بھائی جان لائٹر تو آپ کی جیب میں ہے۔ ہاتھ ڈال کر دیکھا تو لائٹر واقعی جیب میں تھا۔"

"وہ صاحب کیوں بھاگے تھے" لڑکی نے پوچھا۔

"ان کا قصہ بھی عجیب ہے پچھلے ہی اسٹیشن پر میرے منع کرنے کے باوجود چڑھ گئے۔ میں نے بھی کہا ہٹاؤ اپنے آپ بھگتیں گے۔ انہوں نے برتھ پر بستر لگایا کپڑے تبدیل کئے اور پھر اطمینان سے بیٹھ کر جیب سے سگرٹ اور ماچس نکالی۔ سگرٹ سلگا تو لی مگر اب جو پینے کی کوشش کرتے ہیں تو ناک

بجائے منہ کے کان کی طرف جاتا ہے۔ کن آنکھوں سے میری طرف دیکھنے لگے کہ کہیں میں نے تو ان کی یہ حرکت نہیں دیکھ لی۔ اور اب کی مرتبہ بڑا سنبھل سنبھل کے ایک ایک انچ کر کے اٹھاتے ہوئے ہاتھ منہ کی طرف لے جانے لگے مگر پھر نہ جانے کیا ہوا کہ ہاتھ منہ کی بجائے کان ہی سے لگا ہوا تھا۔ ایک موٹی سی گالی دے کر انہوں نے لاحول پڑھا اور پینترا بدل کر دوبارہ قسمت آزمائی کرنے لگے مگر نتیجہ وہ ہی رہا میں نے کہا مولانا کوشش بیکار ہے یہ ڈبہ آسیب زدہ ہے یہ سننا تھا کہ مارے گھبراہٹ کے وہ اسی وقت ڈبہ سے کودنے لگے تھے۔ بڑی مشکل سے اسٹیشن آنے تک انہیں روکا اس کے بعد جو کچھ ہوا آپ کو معلوم ہی ہے۔"

"میں نہیں مانتی" لڑکی نے کہا مگر لہجہ سے خوف نمایاں تھا۔

"نہ مانیئے" حمید نے لاپرواہی سے جواب دیا اور پھر اس سے کافی انڈیل کر پینے لگا۔ باتیں کرنے کے درمیان لڑکی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب بستر پر رکھدی تھی۔ وہ کچھ دیر تک حمید کو گھورتی رہی پھر غالباً دوبارہ پڑھنے کے ارادہ سے اس طرف ہاتھ بڑھایا جہاں اپنے خیال کے مطابق اس نے کتاب رکھی تھی مگر کوٹ کی جیب میں بیٹھی ہوئی حمید کی پالتو چوہیا اتنی دیر میں اس کے اشارہ پر اپنا کام کر چکی تھی۔ کتاب کو متوقع جگہ نہ پاکر لڑکی نے چونک کر بستر کی طرف دیکھا۔

"او خدا" لڑکی کے منہ سے بیساختہ نکلا

"کیا ہوا" حمید نے جلدی سے پوچھا۔

لڑکی خوفزدہ ہونے کے باوجود مسکرانے لگی۔

"بڑے دلچسپ آدمی ہیں آپ" وہ بولی "سلپ تو میری ہی ہے مگر سچ بتایئے آپ نے اسے حسین احمد ہی پڑھا تھا۔"

"تو کیا کچھ اور لکھا تھا" حمید نے حیرت سے پوچھا اور آگے بڑھ کر وہ دروازہ کھول دیا جو مختلف کمپارٹمنٹ سے گزرتا ہوا ڈائننگ کار کی طرف جاتا تھا۔

"میرا نام مہ جبیں ہے اور والد صاحب کا نام افتخار احمد، چنانچہ سلپ پر مہ جبیں احمد لکھا ہوا ہے" مہ جبیں احمد نے ہنستے ہوئے کہا اور دونوں ساتھ ساتھ ڈائننگ کار کی طرف چلدیئے جو کچھ زیادہ دور ثابت نہیں ہوئی۔ حمید نے ایک گوشہ میں بچھی ہوئی خالی میز پسند کی۔ اور ویٹر کو جو انہیں دیکھتے ہی آگے بڑھا تھا دو اسپیشل چائے کا آرڈر دے دیا۔

"یہ لطیفہ بھی خوب رہا" حمید نے مہ جبیں کے بعد خود بھی کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا "مگر ٹھہریئے اس میں تو نام سے پہلے مسٹر بھی لکھا ہوا تھا۔"

"مسٹر نہیں مس" مہ جبیں بولی "مس مہ جبیں احمد۔"

"تو آپ ابھی تک مس ہیں" حمید نے ایک گہری سانس لی "کاش میں آپ سے پہلے ملا ہوتا۔"

"تو کیا ہوتا" مہ جبیں حمید کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولی۔

"کچھ نہیں۔ میں بھوتوں پر ریسرچ کرنے کی زحمت سے بچ جاتا۔"

ویٹر نے اتنی دیر میں چائے کی ٹرے میز پر لاکر رکھ دی۔ حمید نے چائے بناتے ہوئے ایک نظر ڈائننگ کار میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر ڈالی۔ دو چار کے سوا تقریباً ساری ہی میزیں گھری ہوئی تھیں۔ مختلف چہروں سے پھسلتی ہوئی حمید کی نگاہ داہنے طرف بیٹھے ہوئے ایک ادھیڑ عمر آدمی پر پڑی۔ وہ آدمی مہہ جبیں کو ایک عجیب انداز سے گھور کر دیکھ رہا تھا حمید کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس نے جلدی سے سامنے رکھا ہوا اخبار اٹھا لیا اور اس طرح اٹھاکر پڑھنے لگا کہ اس کا تقریباً سارا چہرہ اخبار کے پیچھے چھپ گیا۔ حمید کو اس آدمی کے اس طرح چونکنے اور پھر بظاہر اخبار کے مطالعہ میں محو ہوجانے کے ردِّ عمل سے کچھ حیرت ضرور ہوئی مگر اس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ مہہ جبیں بے حد حسین تھی اور کسی مرد کا خواہ وہ ادھیڑ ہی کیوں نہ ہو اسے گھورنا اور چوری پکڑے جانے پر گھبرا کر کسی دوسرے کام میں مصروف ہوجانا ایک فطری سی چیز تھی ہرچند حمید نے اپنے آپ کو اس توجیہہ سے مطمئن کرلیا تھا مگر اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ اس آدمی کی نگاہ محض ایک حسن پرست کی نگاہ نہ تھی اس میں کوئی ایسی بات بھی تھی جسے فی الحال الفاظ میں بیان کرنا مشکل تھا۔

"ایک بات تو بتایئے ساجد صاحب" مہہ جبیں نے چائے کی خالی پیالی میز پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

"پوچھئے" حمید نے کہا۔ مہہ جبیں کے لہجہ میں کوئی ایسی بات تھی جس نے

حمید کے کان کھڑے کر دیئے تھے۔

"آپ ہر لڑکی سے اسی طرح بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے ہیں یا یہ عنایت میرے ساتھ مخصوص تھی۔"

"کیا مطلب"

"مطلب یہ کہ اسکیم آپ کی مجھے پسند آئی مگر بدقسمتی یہ تھی کہ میں کوئی عام لڑکی نہیں ہوں" مہ جبیں بظاہر بڑے ٹھنڈے لہجہ میں بات کر رہی تھی۔

"دیکھئے محترمہ اگر آپ نے مجھے کوئی فلرٹ سمجھا ہے تو آپ غلطی پر ہیں" حمید نے ناگواری سے کہا۔

"میں نے آپ کو کیا سمجھا ہے اس کا اندازہ ابھی ہو جائے گا" مہ جبیں سرگوشی میں بولی مگر حمید کو یہ سرگوشی کسی ناگن کی پھنکار سے زیادہ خطرناک محسوس ہوئی "میں آپ کو صرف یہ بتانے یہاں لائی تھی کہ آپ نے مجھے بہت غلط سمجھا ہے۔ بھوتوں کے واقعات خوب تھے مگر جناب کے کوٹ کی جیب سے جھانکتی ہوئی چوہیا کو میں بہت پہلے دیکھ چکی تھی۔ چاہتی تو اسی وقت آپ کی مرمت کر سکتی تھی مگر وہاں صدائے بازگشت سننے والا کوئی نہ ہوتا۔ پھر اس سے میری تسلی بھی نہ ہوتی۔ میں آپ کو سبق دینا چاہتی تھی ایسا سبق جو تمام زندگی یاد رہے۔ یاد رکھیئے ساجد صاحب ہمارا معاشرہ یورپ کی کسی قوم کا معاشرہ نہیں ہے ہم مشرقی عورتیں اگر اپنے بھائیوں کا ساتھ دینے کے لئے ترقی کی راہوں میں شانہ بہ شانہ باہر نکل آئی ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم نے مغرب کی طرح

اپنی شرم و حیا، عزت و ناموس کو بھی ہوس کاروں کے ہاتھوں فروخت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔"

" سنیئے تو محترمہ " حمید نے کچھ کہنا چاہا۔

" شٹ اپ " مہ جبیں کی آواز ڈائننگ ہال میں گونج اٹھی وہ کھڑی ہو گئی تھی اور اس سے پہلے کہ حمید صورت حال کا اندازہ لگا سکے ایک زنا ٹے دار تھپڑ حمید کے بائیں گال کو انگارہ کی طرح دہکا چکا تھا مہ جبیں اس کے بعد وہاں رکی نہیں تیر کی طرح میزوں کے درمیان سے گزرتی ہوئی دوسرے کمپارٹمنٹ میں غائب ہو گئی۔ حمید نے ایک ہاتھ گال پر رکھے ہوئے ماحول کا جائزہ لیا۔ سب اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ مگر حمید ایک دم چونک سا گیا وہ اخبار پڑھنے والا ادھیڑ عمر آدمی غائب ہو چکا تھا۔

۲

تم دن بدن گدھے ہوتے جا رہے ہو" فریدی نے تلخ لہجہ میں کہا "اسی وقت سامان چیک کیوں نہیں کیا؟"

"جی ہاں اب تو حماقت ہو چکی ہے آپ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں" حمید منہ بنا کر بولا "کیا اس معمولی سے کام کے لئے کسی اور کو نہیں بھیجا جا سکتا تھا۔ جام نگر کی بوریت اور پھر قاسم کی باتوں نے میرے ذہن کو سوچنے سمجھنے کے قابل ہی کب چھوڑا تھا۔"

حمید کو سفر سے واپس آئے چوتھا دن تھا۔ مہ جبیں سے بچھڑ کھانے کے بعد وہ کس طرح اپنے کمپارٹمنٹ میں واپس آیا اور کس ذہنی حالت میں بقیہ سفر پورا کیا اس کا اندازہ لگانا کچھ ایسا مشکل نہیں۔ اسے رہ رہ کر اس بات پر تاؤ آ رہا تھا کہ وہ نہ مہ جبیں کے اتہ پتہ سے واقف تھا اور نہ اس کی منزل مقصود سے۔ کہ اسے تلاش کر کے قرض اتارنے کی کوشش کرتا ٹرین سے اتر کر اسٹیشن پر ایک گھنٹہ مہ جبیں کی تلاش میں ضائع کرنے

کے بعد گھر آکر اس نے فریدی کو جیسی تیسی رپورٹ پیش کی اور پھر جو لمبی تان کر سویا ہے تو دوسرے دن کی خبر لایا۔ دوسرے دن سے نائٹ کلبوں کی آوارہ گردی شروع ہو گئی آج چوتھے دن جب سر سے کچھ بھوت اترا تو اسے ہوش آیا ہولڈال اور اٹیچی کیس ابھی تک جوں کا توں رکھا تھا۔ کھول کر چیزیں جو نکالیں تو ریوالور غائب۔ پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی اس وقت فریدی کے سامنے اسی کا قصہ درپیش تھا۔ پھر بھی حمید تھیٹر کا تذکرہ صاف اڑا گیا تھا

"ابھی جاکر ریوالور کی گمشدگی کی رپورٹ کرو۔ معاملہ خطرناک ہو سکتا ہے" فریدی نے کہا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں۔"

"ڈی آئی جی نے کسی کام سے بلایا ہے۔"

"پھر آپ ہی ان سے نجی طور پر اس کا ذکر کیوں نہ کر دیں۔"

"محکمانہ کارروائی سے پھر بھی نہیں بچ سکو گے۔"

"یہ آپ کہہ رہے ہیں" حمید نے جل کر کہا "کرنل فریدی کا اسسٹنٹ ہونے کا اتنا فائدہ بھی نہ ہوا تو گویا اتنی عمر جھک مارنے ہی میں ضائع کر دی۔"

"میں خود کو قانون سے بالاتر تو نہیں سمجھتا۔" فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اب میں اپنا سر پیٹ لوں گا۔ ارے یہ ساری اخلاقیات کیا میرے ہی نصیب میں رہ گئی ہیں۔"

"اچھا تم بیٹھے اپنا سر پیٹتے رہو۔ میں ڈی آئی جی سے مل کر ایک گھنٹہ میں واپس آجاؤں گا اس کے بعد ممکن ہے اس نیک کام میں تمہارا ہاتھ بٹا سکوں۔"

"کوئی نیا کیس تو نہیں" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"دیکھو روح فنا ہوگئی" فریدی مسکرایا "بظاہر تو کوئی نیا کیس سامنے نہیں ہے"

"پھر آپ کو کیوں بلایا ہے۔"

"ممکن ہے میں نے چھٹی کی درخواست دی تھی اس سلسلہ میں کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہوں، مگر تم میرے واپس آنے تک کہیں غائب نہ ہوجانا۔"

"خدا آپ کا بھلا کرے بلکہ نظر بد سے بچائے ورنہ کہاں چھٹی کی درخواست اور کہاں آپ" حمید خوش ہوکر بولا۔

اور اس خوشی میں اس نے فریدی کے جاتے ہی قاسم کو فون کر ڈالا۔ سفر سے واپس آنے کے بعد سے اب تک حمید قاسم سے بھی نہیں مل سکا تھا۔ اگرچہ وہ سمجھ رہا تھا کہ اس مرتبہ اس نے قاسم کو کچھ ضرورت سے زیادہ ہی تاؤ دلا دیا تھا ممکن ہے ابھی اس کا غصہ نہ اترا ہو لیکن اگر فریدی نے سچ مچ چھٹی کی درخواست دی تھی تو اس چھٹی میں کسی تفریحی مقام پر جانے کا لطف اسی صورت میں دوبالا ہو سکتا تھا جب قاسم بھی ساتھ ہو۔ حمید نمبر ڈائل کرنے کے بعد کافی دیر تک ریسیور پکڑے کھڑا رہا دوسری طرف گھنٹی بھی بجتی رہی مگر یا تو گھر میں کوئی تھا نہیں یا قاسم صاحب نے پھر فون

کمرہ میں بند کر کے تالہ ڈال دیا تھا۔ تنگ آکر حمید نے ریسیور کریڈل پر پٹخا اور خود اپنے کمرہ میں جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ ایک ملازم اندر داخل ہوا اور حمید کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرانے لگا۔

" اے کیا بندر کی طرح دانت نکال رہا ہے۔ بولتا کیوں نہیں کیا بات ہے"

" سرکار کوئی لڑکی ملنے آئی ہے۔"

" مجھ سے؟"

" جی نہیں کرنل صاحب سے ؟"

" تو نے بتایا نہیں کہ کرنل صاحب گھر پر نہیں ہیں "

" بتایا تھا صاحب" نوکر بولا " مگر وہ کہتی ہیں کہ کرنل صاحب نہیں ہیں تو کیپٹن صاحب سے ہی مل لوں گی۔"

" نام پوچھا "

" نام تو نہیں پوچھا صاحب" نوکر پھر مسکرانے لگا۔

" اب کی دانت نکوسے تو بتیس پیٹ میں اتار دوں گا سالے" حمید نے مکا لہرایا۔ نوکر پیچھے مڑ کر بگٹٹ بھاگا۔

" جا کر کہہ دے کیپٹن صاحب بھی باہر گئے ہیں" حمید نے پکارا " مگر ٹھہر ابے او" نوکر دروازہ کے قریب جا کر رک گیا۔

" تو نے اسے بٹھایا کہاں ہے" حمید نے پوچھا۔

" باہر والے کمرے میں" نوکر نے وہیں سے جواب دیا۔

" اچھا تو یہیں ٹھہر میں جا کر دیکھتا ہوں" حمید نے کہا اور پچھلے دروازہ

سے نکل کر فریدی کے اسٹڈی روم میں پہنچا۔ یہاں سے باہر والا کمرہ تقریباً صاف نظر آتا تھا۔ حمید نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ لڑکی اس کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ اچانک اس نے اپنا رُخ بدلا اور حمید کے دیوتا کوچ کر گئے۔ لڑکی مہ جبیں کے سوا کوئی اور نہیں تھی۔ یہاں یہ کیسے پہنچ گئی حمید سوچ رہا تھا۔ کیا اس نے ٹرین میں حمید کو پہچان لیا تھا اور اب فریدی سے اس کی شکایت کرنے آئی ہے ایسا ہونا کچھ بعید بھی نہیں تھا اب تک مختلف کیسوں کے سلسلہ میں فریدی کے اتنے فوٹو اخبارات میں نہیں آئے تھے جتنے حمید کے آچکے تھے۔ خاص طور سے مہ جبیں جیسی ہوشیار وطرار لڑکی کے لئے کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ اس نے کہیں نہ کہیں حمید کا فوٹو ضرور دیکھا ہو۔ لیکن نہیں اگر اس نے پہچان لیا ہوتا تو ٹرین میں اس کا اظہار ضرور کرتی۔ پھر کیا کیا جائے۔ فریدی کے آنے تک اُسے ٹھہرانا شامت کو آواز دینا تھا کیوں نہ اسے پہلے ہی چلتا کر دیا جائے. مگر کیسے۔

حمید واپس کمرے میں آیا اس کا ذہن تیزی سے کوئی حل سوچنے میں مصروف تھا۔

" اسے اندر بھیج دو۔" حمید نے نوکر سے کہا۔

نوکر کے جاتے ہی حمید نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ریڈی میڈ میک اپ نکالا، مونچھیں جمائیں۔ ناک میں اسپرنگ ٹھونسے اور ایک گال میں شیشے کی گولی رکھ کر چشمہ لگا رہا تھا کہ مہ جبیں اندر داخل ہوئی باہر دھوپ پھیلی

ہوئی تھی اور یہ کمرہ نسبتاً کم روشن تھا۔ حمید کو اطمینان تھا کہ مہ جبیں پانچ دس منٹ میں تو اسے پہچان نہیں سکتی اور اس سے زیادہ وہ اسے ٹکنے ہی نہیں دے گا۔

"تشریف رکھیئے" وہ بھاری آواز میں ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"جی شکریہ" مہ جبیں بیٹھ گئی "آپ کیپٹن حمید ہیں" اس نے پوچھا لہجہ مشکوک ہی تھا۔

"ناچیز کو کیپٹن جدید کہتے ہیں" حمید نے کہا "میں کرنل صاحب کا تیسرا اسسٹنٹ ہوں۔"

"تیسرا اسسٹنٹ" مہ جبیں نے تعجب سے دہرایا۔

"جی ہاں فریدی صاحب دوسرا اسسٹنٹ نہیں رکھتے"

"مگر کیپٹن جدید۔ یہ کیا نام ہوا"

"میں سراغ رسانی کے جدید اسکول کا فارغ التحصیل ہوں" حمید نے لاپرواہی سے کہا "بہرحال آپ میرے نام کے متعلق تحقیقات کرنے تو نہ آئی ہوں گی"

"جی جی ہاں، میں دراصل انکل فریدی سے ملنے آئی تھی" مہ جبیں نے جلدی سے کہا۔

"انکل فریدی" حمید نے بھویں اچکائیں۔

"جی ہاں میرے والد افتخار احمد صاحب فریدی صاحب کے گہرے دوست

تھے۔ اس رشتہ سے میں انہیں انکل فریدی ہی کہتی ہوں ۔"

"مگر کرنل صاحب نے تو آج تک اپنی کسی بھانجی بھتیجی کا تذکرہ نہیں کیا تھا ۔"

"درست ہے والد صاحب کے انتقال کے بعد ہم لوگ مستقل طور پر گرگام چلے گئے ہیں میں نے اپنے بچپن میں انکل فریدی کو دیکھا تھا اس کے بعد سے کچھ ایسے حالات رہے کہ نہ انکل ہم سے مل سکے اور نہ ہم ان سے۔ میرا تو خیال ہے انہیں ہمارا پتہ بھی شاید معلوم نہ ہوگا ۔"

"آپ ان سے کس لئے ملنا چاہتی ہیں" حمید جلد از جلد اُسے ٹالنے کی کوشش میں تھا ۔

"بات کچھ ذاتی نوعیت کی ہے اس لئے میں انکل ہی سے کہنا چاہتی ہوں ۔"

"ارے تو پھر آپ میرا سر کیوں کھانے چلی آئیں" حمید جھلا گیا "کیا نوکر نے آپ کو نہیں بتایا تھا کہ فریدی صاحب گھر پر نہیں ہیں ۔"

"معافی چاہتی ہوں" مہ جبیں نے کہا "کیا آپ بتا سکیں گے کہ انکل کب تک واپس آئیں گے ۔"

"میں فریدی صاحب کا اسسٹنٹ ہوں پرائیویٹ سیکرٹری نہیں" حمید تنک کر بولا "وہ ایسے آدمی ہیں ایک گھنٹے میں بھی آ سکتے اور ایک مہینہ بھی نہ سکتا ہے ۔"

"پھر تو بڑی مشکل ہو گی" مہ جبیں سوچ میں پڑ گئی "میں آج شام

کی ٹرین سے واپس جانے کا ارادہ کر رہی تھی ۔"

" بہت نیک ارادہ ہے بدل نہ ڈالیے گا۔ اچھا سلام علیکم" حمید اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

" اچھا اگر میں آپ کو بتا دوں تو آپ انکل کے سوا کسی سے اس کا تذکرہ تو نہیں کریں گے ۔"

" ضرور کروں گا بلکہ پہلی فرصت میں ایک پریس کانفرنس بلا کر باقاعدہ بیان دے ڈالوں گا ۔"

" آپ شاید بُرا مان گئے ۔"

" تو اب آپ مجھے منائیں گی ۔ چلیئے کوشش کر لیجیئے ۔"

" دیکھئے بات یہ ہے کہ...... اچھا آپ نے کرنل زاہد کا نام سُنا ہے ۔"

" وہ ہی تو نہیں جن کے بارے میں کسی شاعر نے کہا ہے زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر ۔"

" دیکھئے اگر آپ اسی طرح مذاق اڑاتے رہے تو میں نروس ہو جاؤں گی ۔"

" یہ تو آپ نے کچھ اس طرح کہا جیسے میں رو دوں گی ۔ بہرحال آپ فرمایئے میں سُن رہا ہوں ۔"

" اُن کے لڑکے لیفٹیننٹ شاہد سے میری منگنی ہو چکی ہے ۔"

" خدا رحم کرے ۔" حمید بڑبڑایا ۔

" آپ نے مجھ ... کچھ کہا ۔" غالباً مہ جبین ٹھیک سے نہیں سُن سکی تھی ۔

" جی نہیں۔ آپ اپنی کہے جائیں "
" مگر اب شاہد یہ منگنی ختم کرنے پر تلا ہوا ہے "

" کچھ وجہ" حمید کو کچھ دلچسپی پیدا ہو چلی تھی۔ وجہ ظاہر تھی۔ اول تو مہہ جبیں جیسی حسین لڑکی سے کوئی نوجوان شادی سے انکار کر سکتا ہے یہ ہی بات کچھ کم عجیب نہ تھی۔ اس پر مستزاد یہ کہ مہہ جبیں اس کی فریاد لے کر فریدی کے پاس آئی ہے۔

" شاہد کو وہم ہو گیا ہے کہ چونکہ اس کے خاندان میں پاگل پن کا مرض وراثت میں چلا آ رہا ہے اس لئے وہ بھی ایک نہ ایک دن پاگل ہو جائے گا " مہہ جبیں نے کسی قدر ہچکچاہٹ کے بعد کہا۔

" اجی تو لعنت بھیجئے اس لیفٹیننٹ پر ممکن ہے خدا آپ کو کوئی کیپٹن دلوا دے "

" جی " مہہ جبیں کی بھویں تن گئیں۔

" میرا مطلب ہے کہ اگر وہ اس حد تک وہمی ہے تو نصف پاگل پن تو اسی بات سے ظاہر ہے " حمید نے جلدی سے کہا " پھر آپ جان بوجھ کر اپنی آئندہ زندگی کیوں تلخ بنانا چاہتی ہیں "

" اول اس لئے " مہہ جبیں نے جواب دیا " کہ میں اور شاہد بچپن سے ایک ساتھ کھیل کود کر بڑے ہوئے ہیں اور میں اب اس کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کر سکتی۔ دوسرے اس بنا پر کہ مجھے قطعی یقین ہے کہ شاہد ہرگز پاگل نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے وہ اتنا ہی ہوشمند اور ذہین ہے جتنا

مثال کے طور پر میں یا آپ ہو سکتے ہیں ۔"

"دیکھئے محترمہ" حمید روانی میں کہہ گیا "آپ اپنی مثال جس سے چاہیں دیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر میں اپنا تقابل کسی ایسے شخص سے کرنے کی اجازت نہیں دے سکتا جو آپ جیسی لڑکی کو ٹھکرانے کا پاگل پن کر سکتا ہو۔ ویسے میرا مشورہ ہے کہ آپ فریدی صاحب کا وقت خراب کرنے کی بجائے کسی حکیم یا ڈاکٹر سے رجوع کریں تو زیادہ فائدہ میں رہیں گی ۔"

مہ جبیں نے محترمہ کے لفظ اور اس کے کہنے کے انداز پر چونک کر حمید کی طرف دیکھا۔ حمید کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے مہ جبیں کی تیز نگاہوں سے بچنے کے لئے اپنا منہ دوسری طرف کر لیا ۔

"مگر کرنل زاہد اور مختار چچا دونوں اس کے حق میں نہیں ہیں"۔ مہ جبیں کو اگر کچھ شک ہوا بھی تھا تو اس نے اس کا اظہار نہیں کیا "ان کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر علاج کے لئے پہلا مشورہ یہ ہی دیں گے کہ شاہد کو کسی پاگل خانے میں داخل کرا دیا جائے ۔ اور چونکہ شاہد ان کا اکلوتا بیٹا ہے اس لئے وہ یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ ان کے اکلوتے بیٹے کی زندگی پاگل خانے کی پتھریلی دیواروں میں گھٹ گھٹ کر ختم ہو جائے ۔"

"اچھا تو میں کچھ عرض کروں" حمید نے سنجیدہ لہجہ میں کہا اور دوبارہ بیٹھ گیا ۔

"جی ہاں ضرور، اسی لئے تو انکل کے پاس آئی تھی" مہ جبیں بولی "مجھے شبہ ہے کہ کسی نے جو شاید میری اور اس کی یکجائی برداشت نہیں کر سکتا اس

کے ذہن میں یہ وہم پیدا کر دیا ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن پاگل ہو جائے گا"

"یہ بتایئے کہ وہ رات کو بستر پہ دیر تک کروٹیں تو نہیں بدلتا رہتا" حمید نے پوچھا "یا صبح کو ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی اخبار لے کر بیت الخلاء میں تو نہیں گھس جاتا اور پھر گھنٹوں برآمد نہیں ہوتا"

"کیپٹن صاحب" مہ جبیں کو غصہ آ گیا۔

"اوں ہونہہ، کیپٹن حمید، پورا نام لیجئے" حمید بولا "آپ غالباً اسے مذاق سمجھ کر نا راض ہونے کا ارادہ کر رہی ہیں۔ مگر یہ سوال میں نے سراغرسانی کے جدید اصولوں کے عین مطابق کیا ہے۔ آپ میری بات کا جواب دیں"

"مگر۔۔۔ یہ۔۔۔ یعنی کہ میں۔۔۔ میرا مطلب ہے" مہ جبیں کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔

"آپ کا مطلب ہے" حمید نے اس کی پریشانی سے لطف لیتے ہوئے کہا "کہ آپ اس سوال کا جواب نہیں جانتیں۔ تعجب ہے جس انسان کی عادات کے بارے میں آپ کو اتنا بھی علم نہیں اس سے آپ شادی کرنا چاہتی ہیں"

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ یہ کیا اوٹ پٹانگ باتیں کہہ رہے ہیں" مہ جبیں الجھ کر بولی "بھلا پاگل پن کا رات کو کروٹیں بدلنے یا۔۔۔ وہ۔۔۔"

"بیت الخلاء سے کیا تعلق" حمید نے فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا "یہ ہی کہنا چاہتی ہیں نا آپ۔ مگر میں عرض کروں گا کہ بہت بڑا تعلق ہے اگر وہ آپ کے شاہد صاحب دیر تک بیت الخلاء میں بیٹھنے کے عادی ہیں

ایک اور اچنبا بھی لکھا ہوا تھا۔ اسس ہنگامہ میں حمید کے ریڈی میڈ میک اَپ کی ایک مونچھ خدامعلوم کہاں گر پڑی تھی۔ کچھ انتظار کے بعد حمید فرش سے اُٹھا اور مہہ جبیں کی نگاہ اس کے منہ پہ پڑی تو وہ ایک دمؔ چونک پڑی ۔

"آپ" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ حمید نے اس کے چونکنے پہ گھبرا کر منہ پہ ہاتھ پھیرا۔

"جی ہاں میں" اسس نے اطمینان سے دوسری مونچھ بھی اکھیڑتے ہوئے جواب دیا۔ اور جلدی سے لپک کر کھڑکی کے پاس پہنچا۔ مگر جو شخص اسس دیدہ دلیری سے گھر میں گھس کر گولی چلا سکتا تھا اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنا کام کرنے کے بعد بھی نظر آنے کے لئے ٹھہرا رہے گا حماقت ہی تھی۔

اتنی دیر میں مہہ جبیں بھی کپڑے سے جھاڑتی ہوئی کھڑکی کے قریب آ گئی تھی۔ اس کا چہرہ ابھی تک صدمہ کے اثر سے سفید پڑا ہوا تھا۔

"کون تھا" اس نے کانپتے ہوئے پوچھا۔

"غالباً آپ کے تھیٹر کا کوئی پرانا شیدائی" حمید جلے بھنے لہجہ میں بولا اور مہہ جبیں کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی نگاہ پہلی مرتبہ کھڑکی سے پانچ چھ فٹ کے فاصلہ پہ پڑتے ہوئے ریوالور پہ گئی۔ مہہ جبیں کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے اس نے لپک کر فرش سے ریوالور اٹھا لیا۔ اور اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ حمید نے سر جھک کر ایک

مرتبہ پھر غور سے ریوالور کی طرف دیکھا مگر شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی جس ریوالور سے مہ جبیں پر گولی چلائی گئی اور جو ریوالور اس وقت اس کے ہاتھ میں نگاہوں کے سامنے موجود تھا وہ حمید کے اپنے گمشدہ ریوالور کے سوا کوئی دوسرا ریوالور نہیں تھا۔



فائر کی آواز سن کر گھر کے سارے ہی ملازم کمرہ کے دروازہ پر جمع ہو چکے تھے۔ حمید انہیں ایک طرف دھکیلتا ہوا باہر کی طرف بھاگا اور پھاٹک عبور کر کے سڑک تک بھاگتا چلا گیا مگر اب یہ سب کچھ بیکار ہی تھا۔ دس پانچ منٹ اِدھر اُدھر دوڑنے کے بعد واپس لوٹا اور آتے ہی نوکروں پر برس پڑا۔

"ابے گدھو" وہ چیخا "اگر اسی طرح آنکھیں بند کر کے گھر میں رہو گے تو جس اٹھائی گیرے کا دل چاہے گا گھس کر ٹھائیں کر جائے گا۔ کیوں بے نمک حرام" حمید ایک نوکر کی طرف گھوما جو ہاتھ میں پانی کا گلاس پکڑے کھڑا تھا "تیری ڈیوٹی تو پھاٹک پر تھی کہاں جا کے مر گیا تھا۔"

"صاحب پانی لینے گیا تھا" نوکر گھبرا کر بولا۔

"ابے میں نے تجھ سے کب پانی مانگا تھا"

"آپ نے نہیں صاحب۔ انہوں نے مانگا تھا جو موٹر سے اترے تھے"

" کون اتنا احمقا موڑ سے "

" مجھے کیا معلوم صاحب ۔ میں پھاٹک پر کھڑا ڈیوٹی دے رہا تھا کہ ایک بڑی سی کار قریب آکر رکی ۔ اس میں سے ایک بڑے میاں اترے انہوں نے کہا کہ وہ اپنی بیمار بیٹی کو لے کر ہسپتال جا رہے ہیں مگر اسے بڑے زور کی پیاس لگ رہی ہے ایک گلاس پانی مل جائے گا بس صاحب میرا قصور اتنا ہے کہ ثواب کا کام سمجھ کر پانی پینے چلا گیا "

" چلو دفع ہو جاؤ " حمید نے ڈانٹ پلائی " اور خبردار آئندہ کبھی اس طرح پھاٹک اکیلا چھوڑ کر مت جانا "

نوکر ایک ایک کر کے کھسک لئے ۔ حمید کمرہ میں واپس آیا ۔ جاتے وقت ریوالور میز پر رکھ گیا تھا اب اسے احتیاط سے اٹھا کر رومال میں لپیٹا اور میز کی دراز میں ڈال دیا ۔ اتنی دیر میں مہ جبیں کے اوسان بھی کچھ بحال ہو چکے تھے ۔

" میں آپ کی شکر گزار ہوں ساجد صاحب " وہ سر جھکا کر بولی " آج آپ کی وجہ سے میری جان بچ گئی مجھے امید ہے کہ آپ ٹرین والے واقعہ کے لئے مجھے معاف کر دیں گے "

" جی نہیں وہ تھپڑ تو کسی دن مع سود کے آپ کو واپس لینا پڑے گا "

" تو آپ کا دل ابھی تک صاف نہیں ہوا ۔ میں ایک مرتبہ پھر معافی چاہتی ہوں ۔ "

" اسے چھوڑیئے یہ بتایئے کہ آپ کچھ اندازہ لگا سکتی ہیں کہ آپ پہ گولی

چلانے والا کون ہو سکتا ہے "

" میں کیا بتاؤں ساجد صاحب میری خود عقل حیران ہے ایسا دشمن تو میرا کوئی نہیں تھا " مہ جبیں نے کہا۔

" ساجد نہیں کیپٹن حمید" حمید نے شاید پہلی مرتبہ غور کیا تھا کہ مہ جبیں اُسے ساجد کہہ کر مخاطب کر رہی ہے۔

" اوہ تو آپ ہیں کیپٹن حمید" مہ جبیں چونک کر بولی "اگر ٹرین میں آپ اپنا صحیح تعارف کرا دیتے تو شاید تھپڑ تک نوبت نہ آتی۔"

کمرہ کے دروازہ پر قدموں کی آہٹ اُبھری۔ حمید نے گھوم کر دیکھا تو فریدی کمرہ میں داخل ہو رہا تھا۔ مہ جبیں نے بھی فریدی کو اندر آتے دیکھا اور ایک دم کھڑی ہو گئی۔

" خدا کا شکر ہے انکل کہ آپ آگئے " وہ فریدی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ فریدی نے ایک لمحہ اسے غور سے دیکھا۔ اب سے دس سال پہلے کی مہ جبیں اور اس مہ جبیں میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو چکا تھا۔ مگر فریدی نے اسے پہچان لیا۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔

" کہو اچھی تو رہیں مہ جبیں " وہ بولا " تمہاری امی خیریت سے ہیں "

" جی ہاں اور آپ کی شکایت ہیں کہ ابا جان کے انتقال کے بعد سے آپ نے ہم لوگوں کو بالکل ہی بھلا دیا "

" اس کی شکایت تو مجھے ہونی چاہیئے شہر چھوڑا تھا تو کم سے کم اطلاع

کو دی ہوتی کہ کہاں جا رہی ہو ۔"

"آپ نے صحیح کہا غلطی ہم لوگوں کی ہی تھی ۔ میں معافی چاہتی ہوں ۔"

" یہ گولی چلنے کا کیا قصہ ہے " فریدی حمید کی طرف گھوم کر بولا ۔

" تو آپ کو اطلاع مل چکی ہے " حمید نے جواب دیا " کسی اناڑی نے مہ جبیں صاحبہ کو نشانہ بنانا چاہا تھا اور وہ بھی میرے ریوالور سے ۔"

" کیا " فریدی کے لہجہ میں حیرت تھی ۔

" جی ہاں " حمید نے جواب دیا اور مختصر الفاظ میں سارا واقعہ سناتے ہوئے میز کی دراز سے ریوالور نکال کر بھی دکھا دیا ۔ فریدی حمید کی کہانی سننے کے بعد کسی گہری فکر میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا ۔

" بال بال بچ گئے ہو فرزند " بالآخر اس نے حمید سے کہا ۔

" کون میں " حمید نے تعجب سے پوچھا " غالباً آپ نے میری بات ٹھیک سے نہیں سنی ۔ گولی تو مہ جبیں پر چلائی گئی تھی ۔"

" جی ہاں مگر کس کے ریوالور سے " فریدی نے جواب دیا " حملہ آور جو کوئی بھی تھا انتہائی ذہین اور حالات کے مطابق فوراً سوچنے اور عمل کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا ۔ اس نے ٹرین میں تم دونوں کا جھگڑا دیکھا اور فوراً اس اتفاقی واقعہ میں اپنے فائدے کا پہلو تلاش کر لیا ۔ گرگام سے غالباً وہ محض اس تجسس کے تحت مہ جبیں کے تعاقب میں لگا چلا آ رہا تھا کہ آخر اس اچانک سفر کا مقصد کیا ہے ۔"

فریدی مہ جبیں کی طرف گھوما " کیا یہ بات وہاں عام طور پر لوگوں کو معلوم

تھی کہ تم شاہد کے عذر سے مطمئن نہیں ہو"

"جی ہاں اس سلسلہ میں ایک دو مرتبہ مختار چچا سے میری گفتگو ہوئی تھی" مہ جبیں نے جواب دیا "ممکن ہے انہوں نے کرنل صاحب کو بھی بتا دیا ہو گا۔"

"جب تم گرگام سے چلی تھیں تو یہ بتا کر آئی تھیں کہ تم اس بارے میں مجھ سے مشورہ کرنے جا رہی ہو"

"جی نہیں حالانکہ امی نے بہت پوچھا تھا مگر میں نے انہیں بھی کچھ نہیں بتایا تھا مجھے ڈر تھا کہ اگر میں نے یہ بتا دیا کہ میں آپ سے ملنے جا رہی ہوں تو شاید سب ہی میرا مذاق اڑائیں گے"

"میرا بھی یہ ہی اندازہ تھا" فریدی نے کہا "اگر تعاقب کرنے والے کو تمہارے ارادہ کا علم ہوتا تو وہ راستہ میں کہیں حملہ کرنے کی کوشش کرتا۔ ٹرین میں اس نے تمہارا اور حمید کا جھگڑا ہوتے دیکھا۔ تمہارا کمپارٹمنٹ خالی تھا وہ اس ارادہ سے وہاں گیا کہ شاید تمہارے سامان کی تلاشی سے کوئی ایسی چیز مل جائے جس سے معلوم ہو سکے کہ تم کہاں جا رہی ہو اور کیوں جا رہی ہو۔ ساتھ ہی اس نے حمید کے سامان کی تلاشی بھی لے ڈالی اور ریوالور محض اس خیال سے رکھ لیا کہ شاید کبھی کام آ جائے۔ یہاں اس نے تمہیں میرے پاس آتے دیکھا اور فوراً ایک تیر سے دو شکار کرنے کی ٹھان لی۔ حمید کے ریوالور سے تم پر گولی چلانے کا مقصد یہ ہی تھا کہ ایک طرف تمہارا کام تمام کر دیا جائے دوسری طرف اس قتل کا الزام حمید کے کندھے دیا جائے۔ ٹرین میں کتنے ہی لوگوں نے تمہارا اور حمید کا جھگڑا دیکھا ہو گا اگر

تم اس کے ریوالور سے یہاں مقتول پائی جاتیں تو حمید صاحب کو یہ ثابت کرنا مشکل ہو جاتا کہ اس قتل سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے"

"ارے باپ رے" حمید نے گھبرا کر چندیا سہلائی "پھر تو واقعی بال بال بچا ہوں ۔"

"یہ مختار چچا کون ہیں ؟" فریدی نے پوچھا ۔

"کرنل صاحب کے بچپن کے دوست ہیں" مہ جبیں نے جواب دیا "آرمی میں ڈاکٹر اور میجر کے عہدہ پر فائز تھے ۔ زندگی کا کافی حصہ ہندوستان اور برما کی سرحدوں پر گزارا ہے ۔ سالہا سال وطن سے غیر حاضر رہنے کے بعد ابھی چند برس ہوئے کہ پنشن پا کر واپس لوٹے ہیں ۔ اب تک شادی نہیں کی ہے اور شاہد سے اپنی اولاد کی طرح محبت کرتے ہیں ۔"

"کیا شاہد کے خاندان میں پاگل پن کا مرض واقعی موروثی ہے ؟"

"جی سنا تو یہی ہے" مہ جبیں نے کہا "ہر پشت میں ان کے ہاں خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد ضرور پاگل ہوتا رہا ہے ۔ کرنل صاحب اپنے والدین کی تنہا اولاد تھے اسی طرح شاہد ان کا اکلوتا بیٹا ہے ۔ کرنل صاحب اس مرض سے بچے رہے اسی لئے شاہد کا یہ خیال اور پختہ ہے کہ وہ یقیناً پاگل ہو جائے گا ۔"

"کرنل صاحب نے شاہد کی والدہ کے مرنے کے بعد دوسری شادی نہیں کی تھی ۔"

"جی نہیں" مہ جبیں نے جواب دیا ۔ "انہیں شاہد سے بے انتہا محبت

تھی حالانکہ ماں کے انتقال کے وقت اس کی عمر صرف ڈیڑھ دو سال ہی تھی مگر اس کے باوجود کرنل صاحب نے بیٹے کی محبت میں دوسری شادی کرنے سے انکار کر دیا ۔"

"کرنل کی مالی پوزیشن کیسی ہے ۔"

"بہت زیادہ دولت مند آدمی ہیں۔ گڑگام میں دس پندرہ مکانات کے علاوہ ایک ریسٹ ہاؤس بھی انہی کی ملکیت ہے۔ شاہد کی ماں بھی امیر خاندان کی تھیں اور اپنی ساری جائیداد اپنے بیٹے کے نام چھوڑ گئی ہیں جو کسی طرح دو تین لاکھ سے کم نہ ہو گی ۔"

"خود کرنل کی اپنی جائیداد بھی ممکن ہے اسی قدر ہو ۔" فریدی نے کہا "ایسا تو نہیں ہے کہ ان کا کوئی اور عزیز یا رشتہ دار بھی کہیں باقی ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر شاہد پاگل ہو جاتا ہے تو پھر یہ چھ سات لاکھ کی جائیداد اسی کے حصہ میں آئے گی ۔"

"اول تو میرے علم میں کوئی دور یا نزدیک کا رشتہ دار ہے نہیں۔" مہ جبیں نے رکتے ہوئے کہا "اور ہو بھی تو شاہد کا پاگل پن اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"اس طرح کہ شاہد نے اپنی وصیت میں مجھے اپنی تمام املاک کا واحد وارث قرار دیا ہے ۔"

حمید نے حیرت کے انداز میں سیٹی بجائی ۔

"ایک سہیلی کے گھر۔ ارادہ ہوٹل میں قیام کرنے کا تھا مگر وہ اسٹیشن پر ملنے آئی تو اصرار کرکے اپنے گھر لے گئی ۔"

"مناسب سمجھو تو جب تک ٹھہرنے کا خیال ہے یہاں آجاؤ ۔"

"شکریہ ، مگر میں آج شام کی ٹرین سے واپس جا رہی ہوں ۔" مہ جبیں بولی "امی سے صرف چار دن کی اجازت لے کر آئی تھی ۔ اگر دیر ہوئی تو وہ پریشان ہوں گی ۔"

"اچھی بات ہے تم جاؤ ، میں سوچوں گا کہ تمہارے معاملہ میں کیا کیا جا سکتا ہے ۔"

مہ جبیں جانے کیلئے کھڑی ہو گئی ۔

"اگر آپ کہیں تو میں مہ جبیں صاحبہ کو ان کی سہیلی کے گھر تک چھوڑ آؤں"

حمید نے پوچھا ۔

"کسی خطرہ کے پیش نظر کہہ رہے ہو تو اس کی ضرورت نہیں" فریدی نے جواب دیا "حملہ آور کا مقصد مہ جبیں کو مجھ تک پہنچنے سے روکنا تھا جس میں وہ ناکام ہو چکا ہے ۔"

"لیکن فرض کیجیئے اُسے شاہد کے وصیت نامہ کا علم ہو اور وہ مہ جبیں صاحبہ کو اس لئے قتل کرنا چاہتا ہو کہ جائیداد کے حصول کے لئے اپنا راستہ صاف کرلے ۔ ایسی صورت میں دوبارہ حملہ کے امکان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔"

"اگر اُسے جائیداد کے وارث ہی کو راستہ سے ہٹانا تھا تو اس کے لئے اتنی دور آنے کی کیا ضرورت تھی" فریدی نے سر ہلایا " وہ بڑی آسانی سے گڑگام میں ہی جب چاہتا اپنا مقصد پورا کرسکتا تھا ۔ نہیں حمید صاحب میں یہ سمجھنے

بارے میں کیا فیصلہ کریں گے مگر اتنا میں آپ کو یقین دلا سکتا ہوں کہ ہم اس زندگی میں کبھی نہ کبھی پھر ضرور ملیں گے۔ میں قرض دار ہو کر مرنا بالکل پسند نہیں کرتا "

مہ جبیں جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی مگر حمید واپس پلٹ چکا تھا وہ اسے کچھ دیر تک دیکھتی رہی پھر ایک گہری سانس لے کر ڈرائیور سے بولی "شبنم ولا موہانی روڈ"

حمید کمرہ میں واپس آیا تو فریدی کرسی پر آنکھیں بند کئے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

" کیپٹن چھٹی کا کیا بنا " حمید نے آتے ہی پوچھا۔

" چھٹی تو منظور ہو چکی ہے مگر ڈی آئی جی صاحب مجھے ابھی مزید کچھ دن روکنا چاہتے ہیں " فریدی نے آنکھیں کھول کر جواب دیا " مہ جبیں گئی "

" جی ہاں، تو کیا ابھی تک اسی کے بارے میں سوچ رہے ہیں "

" کیوں۔ کیا تمہیں اس کی کہانی میں کوئی ایسی بات محسوس نہیں ہوئی جو ذہن کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے "

" جی نہیں میرا ذہن ایسی فضول باتیں سوچنے کا مریض نہیں ہے "۔

" اسی لئے کہ تم ہر چیز کو سطحی طور پر دیکھنے کے عادی ہو " فریدی نے جواب دیا " میں سنجیدگی سے اس معاملہ کو ہاتھ میں لینے پر غور کر رہا ہوں "

" گویا اب آپ لڑکیوں کی منگنیاں کرایا کریں گے " حمید نے طنز کیا۔

" میرے خیال میں ایسا کیوں نہ کریں کہ ان چھٹیوں میں ایک شادی بیاہ کا دفتر

کھول لیں ۔ سنا ہے آجکل اس پیشہ میں بھی اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے اور نہ بھی ہو تو کم سے کم آپ کے سدا بہار تجرد کا کفارہ تو ادا ہو ہی جائے گا

"بکو نہیں بکواس "

" ارے یہ بکواس ہے" حمید جھلا کر بولا " ذرا سوچئے تو سہی لوگ کیا کہیں گے ۔ اخبارات میں سرخیاں لگیں گی الیشیا کے مایۂ ناز سراغ رساں نے نائیوں کا پیشہ اختیار کر لیا ہے ۔ روٹھے ہوئے منگیتر سے کرنل فریدی کی پہلی ملاقات وغیرہ وغیرہ"

" کچھ بھی ہو مگر تمہیں آئندہ ہفتہ گڑگام روانہ ہونا ہے "

" نہیں " حمید کے لہجہ میں حیرت تھی " آپ یقیناً مذاق کر رہے ہیں ۔"

" میں قطعی سنجیدہ ہوں حمید صاحب' فریدی نے جواب دیا ۔" سردست تمہیں اکیلا ہی جانا پڑے گا ۔ وہاں کے حالات کا تفصیلی جائزہ لے کر اپنی رپورٹ دینا اگر میں غلط نہیں محسوس کر رہا ہوں فرزند تو تم دیکھو گے کہ یہ کیس کتنی زیادہ گا رہ حیثیت کا حامل ثابت ہوتا ہے ۔



اُسرّا کی دھن تیز ہو کر ایک دم خاموش ہوگئی اور پھر سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ طلعت کی رقاصہ جھک جھک کر حاضرین سے داد وصول کر رہی تھی دوسرے ہی نیم تاریک ہال میں قمقمے روشن ہونا شروع ہوئے اور تیز روشنی سے لوگوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

حمید ایک میز پر تنہا بیٹھا ہوا کولڈ ڈرنک پی رہا تھا۔ دو تین دن متواتر بحث کرنے کے باوجود وہ فریدی کو اپنے نقطۂ نظر کا قائل نہیں کر سکا تھا۔ اور اب اسے پرسوں دوپہر کی یا رات کی ٹرین سے گرگام روانہ ہونا ہی تھا۔ حالانکہ حمید کا ارادہ ان گرمیوں میں خود بھی گرگام جانے کا تھا مگر تفریح کی غرض سے کہیں جانا اور سرکاری طور پر بھیجا جانا دو علیحدہ علیحدہ باتیں تھیں۔ پھر جیسی شاہد کی منگیتر نہ ہوتی تو دوسری بات تھی مگر موجودہ صورت حال میں تو اسے یقین تھا کہ یہ چھٹیاں بھی غارت ہی ہو کر رہیں گی۔

روبی رقص کا لباس تبدیل کر کے آئی تو اس نے حمید کو بدستور میز پر اکیلے

" نہیں آج کچھ تفریح کا موڈ نہیں تھا ۔"

" آیئے تو پھر کہیں باہر گھوم آئیں ۔"

" کیوں دوسرا پروگرام نہیں دینا ہے" حمید نے پوچھا ۔

" نہیں ابھی جو کچھ آپ نے دیکھا وہ میرا اس کلب میں آخری پروگرام تھا کلب نے کنٹریکٹ کی تجدید کرنے کے بجائے ایک نئی رقاصہ کو انگیج کر لیا ہے"

" پھر تو مجھے افسوس ہوا ۔" حمید نے جواب دیا " اب کیا ارادہ ہے "

" سردست تو کچھ دن آرام کروں گی " روبی نے کہا ۔

" ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ حمید نے قاسم کو کلب میں داخل ہوتے دیکھا اور اسے دفعتاً یاد آ گیا کہ گزشتہ کئی دن سے تقریباً تمام اخبارات میں جس نئی رقاصہ کی پبلسٹی ہو رہی تھی آج کلب میں اس کا پہلا پروگرام ہے اور قاسم بلا شبہ اس رقاصہ کی پبلسٹی سے کھنچ کر ہی کلب میں آیا ہے ۔ قاسم کے ہال میں قدم رکھتے ہی کئی بیرے اس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے ۔ اور اب وہ بڑی شان سے میز پر بیٹھا ہوا انہیں کھانے کا آرڈر دے رہا تھا ۔

اچانک کسی خیال سے حمید کے ہونٹوں پر آپ ہی آپ مسکراہٹ آ گئی ۔

" روبی " وہ جھک کر سرگوشی کے انداز میں بولا " تمہارا یہاں کا کنٹریکٹ تو ختم ہو ہی چکا ہے اگر پسند کرو تو گرگام کے پہاڑی مقام پر مہینہ دو مہینہ کی تفریح کا انتظام میں کرا سکتا ہوں "

" وہ کیسے " روبی کا چہرہ کھل اٹھا ۔

" تمہارے بائیں ہاتھ کی طرف تین چار میزیں چھوڑ کر جو بیٹھا ہے

اسے پہچانتی ہو ؟"

روبی نے کسی قدر گردن گھما کر قاسم کی طرف دیکھا۔

"کیوں نہیں یہ آپ کے دوست قاسم ہی تو ہیں " روبی نے جواب دیا۔

"میرا دوست ہونے کے علاوہ خان بہادر عاصم صاحب کا بیٹا بھی ہے" حمید نے آہستہ سے کہا۔ اور پھر چپکے سے کوئی بات روبی کو سمجھانے لگا۔ روبی بڑی دلچسپی سے حمید کی باتیں سُن رہی تھی۔ اور درمیان میں سمجھنے کے طور پر سر بھی ہلاتی جا رہی تھی۔

"کیا خیال ہے کوشش کر سکو گی" حمید نے اپنی بات ختم کرکے پوچھا۔

"ضرور، کم سے کم قسمت آزمائی میں تو کوئی حرج نہیں" روبی میز سے اٹھتے ہوئے بولی "اچھا کیپٹن شکریہ اب اجازت دیجئے۔"

روبی حمید کی میز سے اُٹھ کر قاسم کی میز کے پاس پہنچی۔ قاسم دونوں ہاتھوں سے پلیٹیں صاف کرنے میں محو تھا۔ روبی اس کے قریب پہنچی تو قاسم نے مرغ کی ٹانگ دانت سے چباتے ہوئے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور گڑبڑا کر رہ گیا۔ منہ کی حرکت ایک دم بند ہوگئی۔ روبی نے آہستہ سے مسکراتے ہوئے پلکیں جھپکائیں اور قاسم اتنے زور سے چونکا کہ کرسی اُلٹتے اُلٹتے رہ گئی۔

"میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں"۔ روبی کی آواز میں بلا کا لوچ تھا۔

"وہ جی ... اوغ ... غوپ" قاسم نے منہ کھول کر کچھ کہنا چاہا تھا مگر نوالہ گرنے کے ڈر سے اسے فوراً ہی منہ بند کر لینا پڑا۔ جلدی جلدی

بڑی مشکل سے اس نے بوٹی حلق سے نیچے اتاری ۔

"جرور ۔ جرور" وہ گردن ہلاتا ہوا بولا "تشریف رکھیے"

"آپ کا نام مسٹر قاسم ہی ہے نا" روبی بیٹھتے ہوئے بولی ۔ "میں نے آپ کی بہت تعریف سنی ہے"

"ہی ہی ہی" قاسم نے شرمانے کی کوشش کی "میں سالا کس کابل ہوں"

"یہ نہ کہیئے آپ کس قابل ہیں یہ آپ میرے دل سے پوچھئے جو آپ کی پوجا کرتا ہے"

"پوجا ۔ ایں ۔ ہی ہی ۔ اسے ہوپ" قاسم گڑبڑا گیا "آپ مذاق کر رہی ہیں"

"اب آپ بھی اسے مذاق سمجھیں گے تو میرا دل ٹوٹ جائے گا" روبی کی آواز بھرائی ہوئی لگ رہی تھی "ویسے مجھے آپ سے ہمدردی ہے ۔ سنا ہے آپ کی شادی کچھ زیادہ کامیاب نہیں رہی"

"یہ سب سالے والد صاحب کی وجہ سے ہوا ہے" قاسم کو غصہ آ گیا "ایک غلطری کو میرے پلے باندھ دیا ۔ سالی نے زندگی حرام کر دی ہے"

"چچ چچ" روبی نے اظہار افسوس کیا "پھر آپ باہر دل کیوں نہیں بہلاتے"

"وہ دھمکاتی جو ہے کہ اتا جان سے کہہ دوں گی" قاسم نے بڑی بیچارگی

سے کہا۔

"تو دھمکانے دیجئے آپ کوئی ابا جان سے ڈرتے تھوڑی ہیں" روبی نے اکسایا تھا۔

"اور کیا۔ جوتی کی نوک سے، سالے ابا جان میرا کیا کر لیں گے" قاسم نے سینہ تان کر جواب دیا۔

"آپ نے کھانا کیوں بند کر دیا۔ ٹھنڈا ہو جائے گا" روبی نے کہا اور قاسم کو جیسے ایک دم یاد آ گیا۔ کہ وہ کھانے کی میز پر بیٹھا ہے۔

"آپ بھی کھائیے" قاسم نے دعوت دی۔

"نہیں بس شکریہ میں نے ابھی کچھ دیر پہلے کھایا ہے"

"ارے نہیں آپ شاید کم ہونے کی وجہ سے کہہ رہی ہیں۔ کہیئے تو اور منگوا لوں" قاسم نے کہا اور روبی میز کی طرف دیکھنے لگی جہاں اب بھی کم سے کم دو آدمیوں کا کھانا موجود تھا۔ جسے قاسم کم بتا رہا تھا۔

"نہیں سچ مچ میں نے ابھی کھایا ہے" وہ بولی "تو آپ اس گرمیوں کے سیزن میں کسی پہاڑی مقام پر کیوں نہ گھوم آئیں"

"گھوموں گا" قاسم نے پھر کھانا شروع کر دیا۔ "مگر اکیلے اکیلے اچھا نہیں لگتا"

"تو پھر کسی کو ساتھ لے جائیے"

"آپ چلیں گی" قاسم ہمت کر کے پوچھ ہی بیٹھا۔

"میری یہ قسمت کہاں" روبی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ "آپ

بھرے بڑے آدمی ہے"
"عزنی مارو بڑے آدمی کو" قاسم نے بڑے خلوص سے کہا "قسم سے آپ ساتھ چلیں تو مزہ آجائے وہ سالا حمید بھائی بھی کیا یاد کرے گا"
"حمید بھائی کون" روبی نے سادگی سے پوچھا۔
"ہے ایک سالا پولیس والا" قاسم نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔
"آپ کہتے ہیں تو ضرور چلوں گی مگر پھر میری ملازمت کا کیا ہوگا" روبی نے کہا "میں تو یہاں کلب میں ناچتی ہوں"
"یہاں آپ کو کتنی تنخواہ ملتی ہے" قاسم نے پوچھا۔
"ایک ہزار روپیہ مہینہ"
"میں دوں گا آپ کو ایک ہزار روپیہ مہینہ، بس اب تو خوش، پھر چپیں گی نا"
"جیسی آپ کی خوشی مگر سوچ لیجئے۔ بعد میں کہیں ارادہ بدل نہ جائے"
"ایسی تیسی ارادہ بدلنے والے کی" قاسم ایک دم جوش میں بھر کے بولا "آپ ابھی کلب سے وہ کیا کہتے ہیں استغفار دے دیں"
"استعفے" روبی آہستہ سے بولی۔
"جی ہاں وہ ہی۔ ہم لوگ کل ہی کی گاڑی سے عزغام چلیں گے۔"
"عزغام" روبی نے حیرت ظاہر کی۔ "وہ کون سی جگہ ہے"
"گرغام" قاسم نے منہ پر تھپڑ مارا "میرا مطلب ہے گرگام، یہ سالا حلق بہق جاتا ہے"



گرگام کا اسٹیشن ایک لمبے سے پلیٹ فارم اور اس کے تین چوتھائی حصہ پر پڑے ہوئے ٹین کے شیڈ پر مشتمل تھا۔ دن بھر میں صرف دو اپ اور دو ڈاؤن ٹرینیں گھنٹہ بھر کے لئے اسٹیشن کی پُرسکون فضا میں ہلچل سی پیدا کر دیا کرتی تھیں۔ سردیوں کے موسم میں یہ ہلچل بھی چاروں طرف پھیلی ہوئی برف کی طرح منجمد ہو جاتی تھی۔ سرسبز پہاڑیوں کے درمیان ایک چھوٹے سے ہموار قطع زمین پر پھیلا ہوا یہ ننھا منھا شہر اب سے دس بارہ سال پہلے ایک معمولی سے پہاڑی گاؤں سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ اور اب بھی اگرچہ نئی تہذیب نے اس چھوٹی سی بستی کو دیکھتے دیکھتے بارونق شہر میں تبدیل کر دیا تھا۔ مگر پہاڑیوں کے ڈھلان پر جگہ جگہ پرانی وضع کی جھونپڑیاں اب بھی موجود تھیں جن میں مقامی باشندوں کی ایک قلیل تعداد جس کی گزر اوقات بھیڑوں کی اون یا شہر میں مزدوری پر تھی، آباد تھی۔ گرگام کی دلکشی کا ایک بڑا سبب موتی جھیل تھی جو کسی

انگوٹھی میں نگینہ کی طرح رات کو بے شمار روشنیوں کا عکس لئے جگمگایا کرتی تھی۔

مہ جبیں نے کوئی دسویں مرتبہ اسٹیشن کی سست رفتار گھڑی کو دیکھا اور پھر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ ٹرین آج خلافِ معمول کچھ زیادہ ہی لیٹ تھی۔ حمید نے روانگی سے قبل اسے ٹیلیگرام کر دیا تھا۔ آخر خدا خدا کرکے سگنل ڈاؤن ہوا اور اس کے کوئی تین چار منٹ بعد منتظرین اَپ ٹرین آگے پیچھے دو انجنوں کے سہارے چلتی بلکہ گھسٹتی ہوئی کسی تھکے ہارے مسافر کی طرح پلیٹ فارم کی حدود میں داخل ہوئی۔

اترنے والے مسافروں کے ہجوم میں مہ جبیں کو حمید کے پہچاننے میں کوئی خاص دشواری پیش نہیں آئی۔

"انکل نہیں آئے" مہ جبیں نے حمید کو تنہا ڈبہ سے اترتے دیکھ کر پوچھا۔

"جی نہیں، فی الحال تو اس خادم پر ہی قناعت کیجئے" حمید نے قلی کو سامان اٹھانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"انکل کب تک آئیں گے؟"

"لاحول ولاقوۃ، کیا انکل انکل لگا رکھی ہے آپ نے، نہ سلام نہ دعا، نہ یہ پوچھا کہ سفر کیسا کٹا، راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔"

"یا کسی اور لڑکی کے ہاتھ سے تھپڑ تو نہیں کھایا" مہ جبیں شرارت سے مسکرائی "چلئے جب نہیں پوچھا تو اب پوچھے لیتی ہوں بتائیے"

" اجی اب کیا بتاؤں اپنا سر۔ سارا ایڈونچر تباہ کر کے رکھ دیا آپ نے،، حمید نے پلیٹ فارم کے ماحول پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے کہا۔ اس کی نظر بکس اسٹال کے سامنے کھڑے ہوتے ایک عجیب وضع قطع کے آدمی پر پڑی جو بظاہر ہاتھ میں کوئی کتاب لئے ورق گردانی کر رہا تھا مگر حمید نے محسوس کیا کہ اس کی دزدیدہ نگاہیں مہ جبیں پر جمی ہوئی تھیں۔ عجیب سا حلیہ تھا۔ سر پر تنکوں کا ہیٹ بے ہنگم سا کھتی رنگ کا کوٹ جس پر شاید کبھی استری نہیں کی گئی تھی۔ خاکی پتلون بالکل پاجامہ معلوم ہو رہی تھی۔ شیو بے تحاشہ بڑھا ہوا تھا۔

" چلئے نا کیا سوچ رہے ہیں" مہ جبیں نے حمید کے قدم رکتے دیکھ کر کہا۔

" ایک پیالی چائے کے بارے میں کیا خیال ہے" حمید نے ٹی اسٹال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

" گھر تو چلئے چائے بھی مل جائے گی "

" گھر "

" تو کیا ہوٹل میں ٹھہرنے کا ارادہ ہے "

" جس کام کے سلسلہ میں آیا ہوں اس کے خیال سے تو زیادہ بہتر یہ تھا کہ کرنل زاہد کے یہاں قیام کرنے کا موقع ملتا۔ مگر ظاہر ہے کہ آپ ایک دم اس کا انتظام نہیں کر سکتیں۔ آپ کے گھر گیا تو وہاں آپ کی امی کو بعد میں سمجھانا مشکل ہوگا کہ اب کرنل زاہد کے گھر قیام کی کیا

ضرورت پیش آگئی ہے اس لئے میں تو یہ ہی سوچ رہا تھا کہ ابھی تو ہوٹل میں ٹھہرنا مناسب ہوگا۔"

"خیال تو آپ کا بُرا نہیں" مہہ جبیں سوچتے ہوئے بولی "میرا ذہن اس طرف نہیں گیا تھا۔"

"اسی لئے کہتا ہوں کہ ایک کپ چائے پی لیجئے۔" حمید نے ٹی اسٹال کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اس کی نظریں اس عجیب آدمی پر لگی ہوئی تھیں جو اب تک اسٹال سے آگے بڑھ کر گیٹ کی طرف جا رہا تھا۔ حمید کو اپنی حماقت پر افسوس ہوا کہ خواہ مخواہ اس عجیب آدمی کا ردعمل دیکھنے کے لئے اس نے مہہ جبیں کو چائے پینے کی دعوت دے دی۔ دیکھ ہی تو رہا تھا کچھ کھائے تو نہیں جا رہا تھا۔ کون ہے جو آجکل کسی حسین لڑکی کو بے پردہ دیکھ کر چوری چھپے آنکھیں سینکنے کی کوشش نہیں کرتا۔ لاحول ولا قوۃ ذرا سی بات پر اب چائے کے نام پر اسٹیشن کا گرم پانی پینا پڑے گا۔

ٹی اسٹال والے نے دو پیالیوں میں کچھ چائے جیسی چیز ان دونوں کے سامنے رکھ دی۔ حمید کو طوعاً وکرہاً ہاتھ بڑھانا پڑا۔

"میں نے سُنا ہے دلکشا ہوٹل یہاں کا سب سے اچھا ہوٹل ہے۔" حمید نے ایک گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک سُنا ہے مگر اس سیزن میں وہاں جگہ ملنا مشکل ہے۔" مہہ جبیں نے جواب دیا۔

"ہوٹل اگر معقول ہے تو جگہ کی فکر نہ کرو۔ میں کوئی ترکیب نکال لوں گا" حمید نے کہا۔ "دوسری بات یہ کہ میں چاہتا تھا کہ باقاعدہ تعارف سے پہلے میں ذرا آپ کے شاہد صاحب کو ایک نظر دیکھ لوں"

"وہ کس لیے"

"ان کی حرکات و سکنات کا اندازہ لگانے کے لئے" حمید نے کہا "اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنوں کی نگاہیں جن باتوں کو معمولی سمجھ کر ان کی عادی ہو جاتی ہیں وہ ہی چھوٹی چھوٹی باتیں ایک اجنبی کی آنکھوں میں کسی شخص کی ذہنی کیفیت کی غماز بن جاتی ہیں"

"اچھی بات ہے میں کل شام انہیں لے کر دلکشا ہوٹل پہنچ جاؤں گی" مہ جبیں نے جواب دیا۔

حمید نے چائے کی خالی پیالی کاؤنٹر پر رکھی اور جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسے نکالے۔ ٹی اسٹال والا اس وقت کسی اور گاہک کو چائے دے رہا تھا۔ حمید نے گھوم کر اسے متوجہ کرنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ چونک کر رہ گیا۔

وہ کھتئی کوٹ والا عجیب آدمی جو حمید کے خیال میں گیٹ سے باہر جا چکا تھا اس وقت ان دونوں کی طرف پیٹھ کئے مزے سے چسکیاں لے لے کر چائے پی رہا تھا۔

۶

فریدی کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے حمید نے اگر پہلے سے ریزرویشن نہ کرا لیا ہوتا تو دلکشا ہوٹل میں جگہ ملنی مشکل تھی۔ ہوٹل واقعی اچھا تھا۔ مگر حمید کے خیال کے مطابق اب، اتنا اچھا بھی نہ تھا کہ لوگ اُس پر یوں ٹوٹ پڑتے۔ گرکام کے بجائے کسی بڑے شہر میں ہوتا تو شاید دن و رات بھائیں بھائیں ہی کیا کرتا۔

حمید نہا دھو کر نیچے ریکریشن ہال میں آیا تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ ہال ابھی نصف سے زیادہ خالی تھا۔ حمید سوچ ہی رہا تھا کہ ایک کپ کافی پی کر اسکیٹنگ تھیٹر کی طرف جاتے یا کہیں گھومنے پھرنے کہ اسے روبی نظر آ گئی۔ وہ ہوٹل کے بیرونی دروازہ سے اندر داخل ہو رہی تھی اور پھر حمید کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ روبی کے پیچھے آنے والا یقیناً قاسم کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ مگر کس حلیہ میں، سر پر بنارسی صافہ جس پر پروں کی کلغی لہرا رہی تھی۔ جسم پر

کمخواب کی پھولدار شیروانی، تنگ موری دار پاجامہ اور پیروں میں سلیم شاہی جوتی۔ ناک کے نیچے چپکی ہوئی گھپہ دار مونچھیں قاسم کے چوڑے چکلے چہرے پر عجیب بہار دکھا رہی تھیں۔ ریدبی نے کمال کر دیا تھا یہ اسکیم غالباً اسی کے دماغ کی پیداوار تھی۔ قاسم ایک شاہانہ کروفر کے ساتھ چھاتی آگے نکالے اکڑ اکڑ کر چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

اسے دیکھتے ہی ہیڈ ویٹر لپک کر قریب پہنچا اور بڑے ادب سے جھکتا ہوا بولا "ادھر تشریف لائیے نواب صاحب" نواب صاحب تو یہ ٹھاٹھ ہیں، نوابی چل رہی ہے۔ ریدبی نے صرف مونچھوں پر ہی اکتفا نہیں کیا تھا بلکہ ایک سنہرے فریم کی عینک بھی لگوا دی تھی پتہ نہیں شیشے کسی پاور کے تھے یا سادہ مگر مونچھوں کے ساتھ مل کر انہوں نے قاسم کا حلیہ ضرور بیرنگ کر دیا تھا۔ مونچھوں کے بال گچھے دار ہونے کی وجہ سے یقیناً قاسم کی ناک میں چبھ رہے ہوں گے وہ طرح طرح کے منہ بنا رہا تھا۔

ہیڈ ویٹر کے ہمراہ ہی قاسم ایک پرائیویٹ کیبن کی طرف بڑھ رہا تھا کہ اس کی نگاہ حمید پر جا پڑی۔ اس نے گھبرا کر منہ پر ہاتھ رکھا اور اگر ریدبی درمیان میں نہ ہوتی تو وہ یقیناً غڑاپ سے کیبن میں گھس گیا ہوتا۔

حمید بڑے سنجیدہ انداز میں اس کی طرف بڑھا۔

"آج ہوٹل میں آپ کا کوئی پروگرام ہے کیا؟" اس نے پوچھا

"مگر آپ کے ساتھ سازندے وغیرہ نظر نہیں آتے ۔"

" اوہ غ ۔ آپ غور ۔" پتہ نہیں قاسم کیا کہنا چاہتا تھا کہ روبی جلدی
سے بول پڑی ۔

" ادب سے بات کیجئے" وہ تیکھے لہجہ میں بولی " آپ نواب حمار الملک
پدرم سلطان والئی سنگلاخ سے مخاطب ہیں ۔

حمید پھڑک اٹھا اسے خواب میں بھی امید نہ تھی کہ روبی قاسم کے
لئے اتنا شاعرانہ خطاب تجویز کر سکتی ہے ۔

" وادئ سنگلاخ " اس نے حیران ہو کر پوچھا

" وادئ سنگلاخ نہیں ، والئی سنگلاخ " روبی نے جواب دیا ۔

" اوہ میں ... میں معافی چاہتا ہوں نواب صاحب" حمید نے بوکھلاہٹ
کا مظاہرہ کیا ۔

" کوئی ... ارے ہو پ ، میرا مطلب ہے کوئی بات نہیں "قاسم بہت
سنبھل کر بول رہا تھا " جاؤ معاف کی ...... معاف کیا ۔"

" یہ سنگلاخ وہ ہی ریاست تو نہیں جہاں کے جنگلی بہت مشہور ہیں "
حمید نے سادگی سے پوچھا ۔

" جنگلی نہیں جنگل " روبی نے بات بنائی " ربڑ کے جنگل ۔ ریڑ ۔
نصف پیداوار انہی جنگلات سے حاصل ہوتی ہے ۔ "

" مگر میں نے تو سنا تھا کہ ربڑ کے جنگلات نہیں باغات ہوتے
ہیں

"پہلے ہوا کر..... کرتے تھے اب تو ہم نے سارے باغات کو جنگلات بنا دیا ہے۔" قاسم ابھی تک گھبرایا ہوا تھا اسے ڈر تھا کہ کہیں حمید نے اسے پہچان نہ لیا ہو۔

"بہر حال آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی نواب صاحب" حمید نے زبردستی مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اپنا تعارف تو کرایا ہی نہیں۔" روبی بولی۔

"خادم کا پورا نام تو پرنس اللہ اکبر ہے مگر آپ پرنس اکبر بھی کہہ سکتی ہیں۔"

"اسے کیوں جھوٹ بول رہے ہو تم تو سالے کیپٹن۔۔۔ غوپ" قاسم روانی میں کہتے جا رہا تھا کہ کیپٹن حمید ہو کہ روبی نے نیچے سے پیر مارا۔ یہ غوپ اسی کا نتیجہ تھی۔

"معاف کیجیے نواب صاحب" حمید نے ناگواری سے کہا "آپ کا لہجہ اور الفاظ حد درجہ توہین آمیز ہیں۔ اگر آپ ایک ریاست کے مالک نہ ہوتے تو ابھی یہاں خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔"

"ارے باپ رے توبان" قاسم نے بوکھلا کر روبی کی طرف دیکھا۔

"آپ بُرا نہ مانیں ہمارے نواب صاحب بڑے سادہ مزاج واقع ہوئے ہیں۔ رسمی تکلفات انہیں بالکل پسند نہیں۔ نواب صاحب کا مطلب تھا کہ آپ صورت سے تو پرنس نہیں معلوم ہوتے۔" روبی بول پڑی

"جی ہاں جی ہاں بالکل" قاسم نے کھوپڑی ہلائی۔ "بس سالی زبان

بہک گئی ہے''

''آپ نے سچ کہا'' حمید نے ایک ٹھنڈی سانس بھری ''اب میں اپنی صورت کو کیا کروں کاش نواب صاحب کی طرح خدا نے مجھے بھی سنہری فریم کی عینک اور گچھے دار مونچھیں دی ہوتیں تو لوگ دور سے پہچان لیتے کہ کوئی مالئ ریاست چلا آرہا ہے۔''

''ارے تو یہ کونسی بڑی بات ہے تم بھی میری طرح بازار ...''

''ہوہوہو قہہ قہہ'' روبی زور سے ہنس پڑی اور قاسم کے باقی الفاظ اس کے حلق میں ہی گھٹ گئے۔

''بڑے غضب کا مذاق کرتے ہیں آپ بھی نواب صاحب'' اور پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولی ''نواب صاحب کی بات سُنی آپ نے، کہہ رہے ہیں کہ بازار سے مصنوعی مونچھیں لے کر لگا لیجئے''

''تو کیا نواب صاحب کی مونچھیں بازار سے خریدی ہوئی ہیں''

''ارے نہیں'' روبی بولی ''میں نے بتایا ناکہ نواب صاحب کی طبیعت میں مذاق کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے''

''واقعی صاحب اس دور میں نواب صاحب جیسی ہستیوں کا دم غنیمت ہے'' حمید اُٹھتے ہوئے بولا ''اچھا تو نواب صاحب اب اجازت دیجئے۔ میرا قیام بھی اسی ہوٹل میں ہے۔ انشاء اللہ ملاقات ہوتی رہے گی''

''ضرور ضرور'' قاسم نے خوش دلی سے جواب دیا۔

حمید کیبن سے نکلا تو قاسم نے رومال سے چہرہ کا پسینہ خشک کیا اور اطمینان کی سانس لے کر پگڑی اتارنے ہی لگا تھا کہ روبی نے ہاتھ پکڑ لیا۔
"آپ ضرور بھانڈا پھوڑ کر ہی رہیں گے قاسم صاحب" وہ بولی "بھلا حمید کے سامنے اس طرح بوکھلانے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے کہا تھا نا کہ اس میک اپ میں آپ کو کوئی نہیں پہچان سکتا۔ آپ اپنے ہر جان پہچان والے سے اس طرح ملیں جیسے وہ آپ کے لئے بالکل اجنبی ہو۔"
"کیا کروں دل دھک دھک کر رہا تھا کہ کہیں اس نے پہچان نہ لیا ہو۔"
"اگر پہچان لیا ہوتا تو کہہ نہ دیتا۔ دیکھا نہیں آپ نے کیسے ادب سے بات کر رہا تھا۔"
"ہاں یہ تو میں بھی دیکھ رہا تھا۔"
"دوسری بات یہ کہ آپ اپنی زبان پر قابو رکھیں ورنہ سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔"
"کوشش تو کرتا ہوں مگر سالی زبان کو عادت جو پڑ گئی ہے پھسل جاتی ہے۔"
"پھر وہی" روبی نے ناز سے بگڑ کر کہا "اگر ٹھیک سے نہیں بول سکتے تو خاموش رہا کریں۔ ورنہ پھر میرا ذمہ نہیں اگر کسی نے آپ کو پہچان کر آپ کے والد صاحب یا بیگم صاحبہ کو خط لکھ دیا تو۔"
قاسم جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک دوسرے کیبن کا پردہ اٹھا

کر اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک طشتری تھی جس پر ایک سفید لفافہ رکھا ہوا تھا۔ ویٹر نے بڑے ادب سے طشتری قاسم کی طرف بڑھائی قاسم نے لفافہ اٹھا لیا۔ ویٹر اسی طرح اُلٹے پاؤں واپس لوٹ گیا۔ بڑی احتیاط سے قاسم نے لفافہ پھاڑ کر اندر رکھا ہوا کاغذ نکالا اور پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم نہ کہیں کے نواب ہو اور نہ تمہارا نام پدرم سلطان ہے مجھے تمہارا اصلی نام ہی نہیں بلکہ آپ کے باپ کا نام بھی معلوم ہے۔ چاہوں تو ابھی تمہارے والد کو فون کر کے تمہارا اور تمہاری اس فل فلوتی کا کباڑا کر سکتا ہوں۔ مگر مجھے تم سے ہمدردی ہے میں تمہاری کھوپڑی پر تمہارے باپ کی جوتیاں پڑتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس لئے اگر چاہو تو میں اپنا منہ بند رکھ سکتا ہوں لیکن تمہیں اس کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔ وہ قیمت کیا ہو گی اس کے لئے میرے دوسرے خط کا انتظار کرو۔"

"ارے باپ رے" قاسم کے منہ سے نکلا اور وہ کسی آرنے بھینسے کی طرح ہانپنے لگا

کیا بات ہے "روبی جلدی سے بولی "خیریت تو ہے کس کا خط ہے" ملک الموت کا۔" قاسم نے کہا اور خط روبی کی طرف بڑھا دیا۔

۷

حمید نے دوسرے دن کا بیشتر حصہ اِدھر اُدھر گھومنے میں گزارا۔ مختلف لوگوں سے پوچھ گچھ کرنے کے بعد جو معلومات حاصل ہوئیں ان کے مطابق گرگام میں کرنل زاہد کے نام کی اچھی خاصی وقعت تھی اور کافی عرصہ فوج میں ملازمت کرنے کے بعد کرنل کے عہدے سے ریٹائر ہو کر اب پنشن پا رہا تھا۔ بہت زیادہ میل جول بھی اسے پسند نہیں تھا۔ اس لئے پنشن پانے کے بعد اس کا بیشتر وقت اپنے مکان کی لائبریری میں ہی گزرتا۔ دوسری جائیداد اور مکانات کے علاوہ سیاحوں کے لئے ایک آرام دہ ریسٹ ہاؤس کا مالک بھی تھا اور خود بھی اسی ریسٹ ہاؤس کے ایک حصہ میں فروکش تھا۔ خاموشی اور تنہائی پسند ہونے کی وجہ سے ریسٹ ہاؤس کے باقی دس کمروں میں صرف انہی کو قیام کی اجازت ملتی جو کرنل ہی کی طرح عافیت پسند اور اپنے کام سے کام رکھنے والے ہوں۔ اسی تحقیقات کے نتیجہ میں حمید

کو یہ بھی پتہ چلا کہ اتفاق سے ریسٹ ہاؤس کا ایک کمرہ کرایہ کے لئے خالی ہے۔"

دوپہر کے ڈھائی تین بجے حمید تھکا ہارا ہوٹل واپس آیا تو کھانا کھاتے ہی ایسا پڑ کے سویا کہ شام کی خبر لایا۔ اور اس وقت بھی اگر فون کی گھنٹی کی پرشور آواز اسے جگا نہ دیتی تو شاید ابھی اور سویا رہتا لیٹے ہی لیٹے اس نے ہاتھ بڑھا کر میز سے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" اس نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

"کیپٹن حمید" دوسری طرف سے ایک عجیب سی بھاری آواز ابھری

"جی ہاں بول رہا ہوں" حمید نے کسی قدر چونک کر اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو کیپٹن" آواز نے کہا۔ "شاہد کے خون میں پاگل پن کے جراثیم اسے اپنے خاندان سے ورثہ میں ملے ہیں وہ آج نہیں تو کل ضرور پاگل ہو جائے گا۔"

"کون بول رہا ہے" حمید اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "ہیلو۔۔۔ ہیلو" مگر دوسری طرف سے کنکشن آف کیا جا چکا تھا۔

حمید نے گھڑی دیکھی سات بج کر پینتالیس منٹ ہوئے تھے۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے ہوٹل کے آپریٹر کو فون کیا۔

"ہیلو آپریٹر۔ میں کمرہ نمبر ۲۴ سے بول رہا ہوں ابھی مجھے کسی نے فون کیا تھا۔ وہ کال ہوٹل کے کسی کمرہ سے کی گئی تھی یا باہر سے آئی تھی؟" اس نے پوچھا۔

"باہر سے آئی تھی جناب" آپریٹر نے جواب دیا۔

"شکریہ" حمید نے [illegible] ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

حمید لباس تبدیل کر کے نیچے اترا تو ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔ ہوٹل میں ڈنر کا ٹائم آٹھ بجے سے رات کے گیارہ بجے تک مقرر تھا۔ حمید نے ہال میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑائیں مگر مہہ جبیں اور شاہد ابھی تک نہیں آئے تھے۔ البتہ ایک میز پر قاسم اپنی نوابی شان کے ساتھ روبی کے ہمراہ بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا۔ حمید کے چہرہ پر ایک شریر مسکراہٹ اُبھری اس نے اپنی جیب تھپتھپائی اور مطمئن ہو کر کہ چوہیا جیب میں موجود ہے قاسم کی میز کی طرف بڑھ گیا۔ ان دنوں وہ تقریباً ہر وقت اپنی چوہیا کو ساتھ لیے پھرتا تھا۔ ناچنے کے علاوہ بھی اس نے اور کئی کرتب اُسے سکھا رکھے تھے۔

"آداب بجا لاتا ہوں نواب پردم سلطان صاحب" حمید نے میز کے قریب پہنچ کر کہا۔

"آئیے آئیے" قاسم منہ چلاتا ہوا بولا "کیا نام بتایا تھا آپ نے"

"پرنس اکبر" حمید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اجازت ہو تو میں اپنا کھانا بھی آپ کی میز پر منگوا لوں"

"ارے یہ بھی بھلا کوئی ... کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ آپ کی میز ہے تشریف رکھیے"۔

"کہیے آپ کے مزاج کیسے ہیں محترمہ" حمید روبی سے مخاطب تھا۔

"یہ محترمہ نہیں میری وہ ہیں ... کیا کہتے ہیں، دوست" قاسم جلدی سے بولا۔

"ویسے میرا نام روبی ہے" روبی نے جواب دیا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر"

"دیکھو پرنس یہ بات غلط ہے" قاسم حمید کی عادت سے واقف تھا۔
"تمہیں ان سے مل کر خوشی نہیں ہونی چاہیئے یہ میری دوست ہیں"

"نواب صاحب میں نے تو ایک رسمی بات کی تھی آپ کو ناگوار گزرا ہو تو میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں"

"ناگوار تو ضرور گزرے گا۔ اسے تم ان سے مل کر خوش ہو اور میں تالیاں بجاؤں"

"آپ بڑے شکی ہیں نواب صاحب" روبی ڈر رہی تھی کہ قاسم کسی حماقت پر نہ اتر آئے "یہ کیا باتیں شروع کر دیں آپ نے، پرنس اکبر آپ کے مہمان ہیں ان کے لئے کھانے کا آرڈر دیجئے"

"جلدی ابھی لو۔ ارے کہاں مر گئے ویٹر صاحب" قاسم نے ویٹر کو آواز دی۔

"حاضر ہوں نواب صاحب" ویٹر ادب سے جھک کر بولا۔

"دیکھو پرنس کے لئے چار مرغ مسلم اور ...."

"مر جاؤں گا نواب صاحب چار مرغ اور وہ بھی مسلم۔ مجھ سے تو کل تک بھی نہیں کھائے جائیں گے" حمید بولا۔

"توکوئی بات نہیں سب ہضم ہو جائے گا" قاسم نے یقین دلایا۔

"ارے نہیں نواب صاحب" حمید نے پھر کہا اور ویٹر کی طرف گھوم کر بولا "بھائی تم تو میرے لئے ایک دو سادے سالن اور تین چپاتی لے آؤ۔"

ویٹر چلا گیا تو قاسم نے ہنستے ہوئے کہا "ارے غمید بھائی تم ویسے کے ویسے ہی رہے۔"

"جی آپ نے مجھ سے کچھ فرمایا" حمید نے گویا چونک کر پوچھا۔ روبی بڑی مشکل سے ہنسی ضبط کئے بیٹھی تھی۔ حمید کے پوچھنے پر قاسم کو اپنی حماقت کا احساس ہوا۔

"مرغنے" وہ بڑبڑایا پھر پھاڑ سا منہ کھول کر ہنستا ہوا بولا "میرے ایک دوست ہیں جن کا نام ہے غمید... میرا مطلب ہے حمید بھائی بالکل آپ کی طرح ہیں اور کھانا بھی آپ کی طرح تین چپاتی سے زیادہ نہیں کھاتے۔"

"اچھا" حمید نے حیرت ظاہر کی "تعجب ہے۔ میرے بھی ایک دوست ہیں بالکل آپ کی طرح۔ قاسم صاحب۔"

قاسم پانی پی رہا تھا۔ اپنا نام سن کر اس بری طرح چونکا کہ سارا پانی کپڑوں پر آ رہا۔

"مگر وہ نواب نہیں ہیں" حمید نے فقرہ پورا کیا

"آخ خو، خو، کھوں، کھوں" قاسم کو اچھو لگ گیا تھا۔ بڑی

مشکل سے اس کی سانس قابو میں آئی ۔

اتنے میں ویٹر نے حمید کے سامنے بھی کھانا لاکر رکھ دیا ۔ حمید نے قاسم کی نگاہ بچا کر روبی کو آنکھ ماری کہ اب جو کچھ تماشہ ہو چپ چاپ بیٹھی دیکھتی رہے کچھ بولے نہیں ۔ قاسم پر پھر میہمان لئے جانے کا خوف سوار ہو چکا تھا چنانچہ وہ خاموشی سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا ۔ کھاتے کھاتے غالباً بوٹی کا کوئی ریشہ داڑھ میں پھنس گیا قاسم نے بوٹی پلیٹ میں رکھی اور جیب سے پرس نکالا ۔ قاسم پرس میں نقدی رکھنے کے علاوہ خلال رکھنے کا بھی عادی تھا ۔ خلال نکال کر اس نے پرس میز پر رکھ دیا اور داڑھ سے پھنسا ہوا ریشہ نکالنے لگا ۔ حمید نے چوہیا کو اشارہ کیا ۔ قاسم نے خلال سے فارغ ہو کر اب جو پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو بوٹی غائب ۔ اس نے چونک کر حمید اور پھر روبی کی طرف دیکھا مگر وہ دونوں سر جھکائے کھانے میں محو تھے ۔

”قمال ہے،، وہ بڑبڑایا اور شامی کبابوں کی طرف متوجہ ہوا ۔ مگر جہاں کچھ دیر پہلے کبابوں سے پلیٹ بھری ہوئی تھی وہاں اب صرف دو کباب نظر آرہے تھے ۔

”ہیں ... یہ کیا“ قاسم کے منہ سے نکلا اس نے پھر حمید اور روبی کو کن آنکھوں سے دیکھا مگر کچھ بولنے کا حوصلہ نہیں سر کو بڑے زور سے جھٹک کر قاسم نے روبی کی پلیٹ پر نگاہ ڈالی اور یوں

اچھل پڑا جیسے بجلی کا شاک لگ گیا ہو۔ پلیٹ میں روٹیوں کا ڈھیر آدھے سے کم رہ گیا تھا۔

"ویٹر" قاسم چیخا۔

"جی صاحب" ویٹر قریب ہی مستعد تھا۔

"اے تم ہم نواب صاحب سے بھی چار سو بیس کرتے ہو"

"کیا ہوا صاحب"

"اے تم کتنی روٹیاں لاتے تھے"

"چوبیس لایا تھا سرکار"

"تو پھر وہ کہاں گئیں۔"

"جی" ویٹر حیرانی سے قاسم کا منہ دیکھ رہا تھا۔

"اور... اور یہ قباب۔ یہ کتنے لاتے تھے"

"سولہ جناب"

"مگر پلیٹ میں تو دو ہی رکھے ہیں۔ باقی کہاں گئے۔"

حمید اور روبی یوں کھانے میں مصروف تھے جیسے یہ ساری گفتگو سُنی ہی نہ رہے ہوں۔ حمید نے دزدیدہ نظروں سے ہال کا جائزہ لیا۔ مہ جبیں اور اس کے ساتھ ایک بہت وجیہہ نوجوان قاسم کے بائیں ہاتھ والی میز پر بیٹھے رہے تھے۔ پتہ نہیں مہ جبیں نے حمید کو دیکھ لیا تھا یا نہیں۔ بہرحال اس کی پشت حمید کی جانب تھی۔ حمید نے سوچا مہ جبیں کے ساتھ آنے والا نوجوان شاہد ہی ہو سکتا ہے۔ اس نے

قاسم کی طرف دیکھا جو ابھی تک ویٹر سے الجھا ہوا تھا۔
"ہاں تو وہ کباب بھی میں نے ہی کھا لئے۔ اور وہ سالی بوٹی بھی میں ہی نگل گیا۔ ایک تو آرڈر کم لاتے ہو اوپر سے سمجھتے ہو کہ میں کھا گیا۔ ایک پیسہ نہیں دوں گا۔ چلو بھاگ کر روٹی اور کباب اور لاؤ۔"

ادھر ویٹر گیا ادھر حمید نے چوہیا کو اشارہ کیا دوسرے لمحہ قاسم کا پرس میز پر سے غائب ہو کر شاہد کی کرسی کے قریب پڑا ہوا تھا۔

پرس کی تلاش اس وقت شروع ہوئی جب کھانے سے فارغ ہو کر قاسم نے بل کی ادائیگی کے لئے جیب میں ہاتھ ڈالا۔ پھر اُسے یاد آ گیا کہ پرس تو میز پر رکھ دیا تھا مگر اب نہ جیب میں تھا اور نہ میز پر قاسم نے بوکھلا کر ادھر اُدھر دیکھا اور اس کی آنکھوں نے دور ہی سے پرس کو شاہد کی میز کے پاس پڑا ہوا پہچان لیا۔ پرس دیکھ کر وہ بالکل ہی کھوپڑی سے آؤٹ ہو گیا۔ تاؤ کھاتا ہوا کرسی سے اُٹھا دو تین ڈگ بھر کر شاہد کے قریب پہنچا۔

"اسے جیب میں رقم نہیں تھی تو سالے گھر سے کیوں نکلے تھے" وہ گرجا۔ شاہد نے سر اٹھا کر دیکھا اور ایک پہاڑ جیسے آدمی کو منکاتے کھڑے دیکھ کر چونک گیا۔ کرسی سے اُٹھ کر بولا۔

"کیا آپ نے مجھ سے کچھ فرمایا۔"
"اسے ہے رہے تیرا پھر مایا" قاسم نے لہک کر نقل اُتاری "تم

سے نہیں تو اور کس سے مچھر مار رہا ہوں۔ سیدھی طرح میرا پرس دے دو لٹیا ورنہ وہ مار ماروں گا کہ پھر کس نکل جاتے گا۔"

"کیسا پرس" شاہد اب بھی نرم لہجہ میں بات کر رہا تھا جبکہ جبیں کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں تھیں۔ قاسم کی چیخ پکار نے ہوٹل میں ایک ہنگامہ سا پیدا کر دیا تھا۔ کئی ویٹر اس کی طرف دوڑ پڑے۔ حمید نے چوپیا کو پھر اشارہ کیا اور پرس واپس قاسم کی کرسی کے نیچے پہنچ چکا تھا۔

"کیا ہوا نواب صاحب" ہیڈ ویٹر نے آگے بڑھ کر قاسم سے پوچھا جواب شاہد نے دیا۔

" ان صاحب کو کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے پتہ نہیں کس کا پرس مانگ رہے ہیں "

" پرس " ایک ویٹر چونک کر بولا۔ " وہ کرسی کے نیچے پرس پڑا ہے وہ تو نہیں ہے"

قاسم نے ویٹر کی اشارہ کرتی انگلی کی سمت دیکھا تو جیسے غبارہ میں سے پھونک سی نکل گئی۔ پرس اس کی کرسی کے نیچے پڑا تھا۔

" پرس تو نواب صاحب آپ کی کرسی کے نیچے گرا ہوا ہے اور آپ مفت میں ایک شریف آدمی پر آنکھیں نکال رہے ہیں" بھیڑ میں سے کوئی آواز آئی۔

" پاگل ہے سالا " کسی اور نے کہا " نواب بنا پھرتا ہے "

" کہیئے صاحب اب کیا خیال ہے " شاہد قاسم سے مخاطب تھا۔ وہ

مسکرا رہا تھا ۔

"معافی چاہتا ہوں پیارے بھائی صاحب" قاسم گڑبڑا کر بولا "میرا سالا دماغ کھراب ہوجاتا ہے کبھی کبھی ۔"

"کوئی بات نہیں" شاہد نے ہنس کر جواب دیا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا ۔ قاسم لڑکھڑاتے قدموں سے اپنی میز کی طرف واپس آیا اس کے چہرہ پر ابھی تک ایسے تاثرات تھے جیسے کوئی خواب دیکھ رہا ہو ۔ قریب آ کر اس نے پرس اٹھایا اور بڑبڑاتا ہوا کرسی پر ڈھیر ہو گیا ۔

"پتہ نہیں سالا کیا گڑبڑگھٹالا ہے ۔"

"کیا ہوا قواسیم صاحب" حمید نے پوچھا ۔ حمید اور روبی اس ہنگامہ سے یوں بے تعلق رہے جیسے وہاں موجود ہی نہ ہوں ۔

"سب سمجھتا ہوں یہ سب تمہاری شرارت ہے سالے حمید" قاسم کہتے کہتے رک گیا ۔

"میرا خیال ہے قواسیم صاحب آپ کی طبیعت کچھ اچھی نہیں" روبی کھڑے ہوتے ہوئے بولی ۔ "آپ کو اپنے کمرے میں جا کر آرام کرنا چاہیئے ۔ آئیے میں آپ کو چھوڑ آؤں ۔"

کھانے سے فارغ ہو کر حمید مہ جبیں کے پاس گیا تو شاہد واش بیسن پر ہاتھ دھو رہا تھا ۔ اور مہ جبیں میز پر اکیلی تھی ۔

"آپ بھی خوب ہیں" اس نے حمید کو دیکھتے ہی کہا ۔ "خود ہی بلایا کہ شاہد صاحب سے ملنا چاہتا ہوں اور خود ہی غائب ہو گئے ۔"

"اب شاہد سے اسی کے گھر پر ہی ملاقات ہوگی۔" حمید نے جواب دیا۔

"تو پھر بلایا کیوں تھا۔"

"ایک تجربہ کے لئے۔"

"کیسا تجربہ۔"

"یہ آپ نہیں سمجھیں گی۔" حمید نے جواب دیا۔ "البتہ آپ کے اطمینان کے لئے عرض ہے کہ میرا تجربہ کامیاب رہا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ صحیح کہتی ہیں شاہد صاحب اور جو چاہے کچھ ہوں مگر پاگل نہیں ہیں۔ پاگل اتنے متحمل مزاج نہیں ہوا کرتے۔"

"کیا مطلب۔"

"یہ ہنگامہ اس خاکسار کی ایجاد تھا" حمید نے مسکرا کر کہا اور مہ جبیں کو حیران چھوڑ کر کوئی دھن گنگناتا ہوا واپس لوٹ گیا۔۔۔



حمید شیو سے فارغ ہو کر غسل کرنے جا رہا تھا کہ دروازہ پر دستک سنائی دی۔ حمید نے دروازہ کھولا تو سامنے مہ جبیں کھڑی ہوئی تھی۔

"یہ کیا" وہ بولی "دس بج رہے ہیں اور آپ ابھی تک تیار نہیں ہیں۔"

"بس ابھی ہو جاتا ہوں" حمید دروازہ کے سامنے سے ہٹتا ہوا بولا "آئیے اندر آ جائیے۔"

"آپ کو شاید اندازہ نہیں" مہ جبیں نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "کہ کرنل صاحب وقت کی پابندی کے معاملے میں کتنے سخت ہیں۔ میں نے ان سے آپ کی ملاقات کرانے کے لئے وقت مانگا تھا انہوں نے ساڑھے دس کا ٹائم دیا ہے ایک منٹ کی بھی دیر ہو گئی تو نہ صرف یہ کہ ملاقات نہیں ہو سکے گی بلکہ آئندہ کے لئے بھی کوئی امکان نہیں رہے گا۔"

" اب آپ نے لیکچر شروع کر دیا ہے تو ساڑھے دس کیا گیارہ بھی یہیں بج سکتے ہیں " حمید نے جواب دیا ۔

" اچھا جائیے جلدی سے نہا کر آئیے " مہ جبیں نے کہا اور کرسی پر بیٹھتے ہوئے کسی اخبار رسالہ یا کتاب کی توقع میں ادھر اُدھر نظر دوڑاتی ۔ گوشہ میں ایک چھوٹی سی میز پڑی تھی جس پر رسالہ ٹائم کا کوئی پرانا پرچہ رکھا ہوا تھا مہ جبیں نے ہاتھ بڑھایا مگر میز تک نہیں پہنچا اس نے اپنی کرسی تھوڑی سی میز کی طرف کھسکائی اور پھر رسالہ اٹھانے کی کوشش کی ۔ اس مرتبہ کرسی کو ترچھا کر کے کسی نہ کسی طرح مہ جبیں نے ہاتھ رسالہ تک پہنچا ہی لیا پہلی سے اس نے رسالہ کا کونہ پکڑا اور کرسی اپنی جگہ واپس لانے کی کوشش کی مگر توازن نہیں سنبھال سکی اور ایک دھماکے کے ساتھ مع کرسی کے فرش پر آ رہی ۔ رسالہ ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا اور اس اتفاقیہ حادثہ نے مہ جبیں کی جان بچا لی اس نے دیکھا کہ رسالہ نیچے گرتے ہی اس کے کھلے ہوئے ورقوں سے ایک بہت بڑا اور انتہائی سیاہ رنگ کا بچھو نکل کر فرش پر رینگ رہا ہے ۔ مہ جبیں کے منہ سے دبی ہوئی چیخ نکل گئی

دھماکے کی آواز پر ہی حمید کے کان کھڑے ہو گئے اب جو مہ جبیں کے چیخنے کی آواز سنی تو بھیگے جسم پر ہی پتلون چڑھاتے کیا ہوا کیا ہوا کہتا ہوا غسل خانے سے باہر نکل آیا ۔

" بچھو ... " مہ جبیں نے کانپتی ہوئی انگلیوں سے بچھو کی طرف اشارہ کیا ۔ جو برابر دروازہ کی طرف رینگ رہا تھا اور جو اس رسالہ میں تھا " وہ بولی

"تو آپ کے خیال میں اسے کسی نے دانستہ رسالہ میں چھپایا تھا" مہ جبیں نے کسی قدر چونکتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں کیا آپ کے ذہن میں یہ شبہ پیدا نہیں ہوا" حمید نے کہا۔

"مگر کیوں۔ اور پھر کون یہ حرکت کر سکتا ہے؟"

"ابھی یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے" حمید نے جواب دیا "اور نہ ہی یہ اندازہ لگانا ممکن ہے کہ اس کا مقصد مجھے نقصان پہنچانا تھا یا آپ کو۔ مگر شاید آپ بھول رہی ہیں کہ ایک مرتبہ پہلے بھی کسی نے آپ پر گولی چلانے کی کوشش کی تھی۔"

"اُف خدایا۔ مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں آیا" مہ جبیں گھبرا گئی "لیکن آخر کوئی مجھے کیوں نقصان پہنچانا چاہے گا۔ جہاں تک میں سمجھتی ہوں میرا تو کوئی ایسا دشمن نہیں ہے۔"

"اس کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ شاہد نے آپ کے حق میں اپنا وصیت نامہ لکھدیا ہے اور اس کے بارے میں شبہ ہے کہ وہ آئندہ پاگل نہ ہو جائے اس لئے ظاہر ہے کہ اگر آپ راستہ سے ہٹ جائیں تو ساری جائداد کسی ایسے شخص کے حصہ میں آ سکتی ہے جو شاہد کے بعد کرنل زاہد یا ان کی مرحومہ بیگم سے قریب ترین رشتہ رکھتا ہو"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا شخص میرا دشمن بنا ہوا ہے جو کرنل زاہد یا ان کی بیگم کا قریبی عزیز ہے مگر جہاں تک میں جانتی ہوں ان

کے دور یا قریب کا کوئی رشتہ دار زندہ نہیں ہے سوائے شاہد کے ۔"

"ممکن ہے کوئی ہو مگر آپ کو اس کا علم نہ ہو ۔" حمید نے جواب دیا "دوسرا امکان یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی نہیں چاہتا کہ میں شاہد کے پاگل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں تحقیقات کروں ۔"

"اس سے فائدہ" مہ جبیں نے پوچھا "آخر کسی کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے کہ شاہد ہوشمند رہتا ہے یا خدا نخواستہ آگے چل کر اس کا ذہنی توازن خراب ہونے کا اندیشہ ہے ۔"

"اس کا جواب میں ابھی آپ کو نہیں دے سکتا ۔" حمید نے کہا اور گھڑی دیکھی اور چونک کر بولا۔ "ارے باتوں ہی باتوں میں سوا دس بج گئے ۔"

"کیا" مہ جبیں گھبرا کر کھڑی ہو گئی "ارے جلدی کیجئے میرا منہ کیا دیکھ رہے ہیں آپ نہیں جانتے کہ ساڑھے دس بجے تک ہم وہاں نہیں پہونچے تو پھر دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے کرنل صاحب وقت دینے والے نہیں ۔"

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہیں" حمید نے جلدی جلدی پارٹیشن کے پیچھے لباس تبدیل کرتے ہوتے کہا ۔ "اب کرنل صاحب اتنے بھی تو گھنٹہ گھر نہیں ہوں گے کہ دو چار منٹ کی تاخیر گوارہ نہ کر سکیں ۔"

"آپ ابھی ان سے ملے نہیں ہیں نا" مہ جبیں بولی "کرنل صاحب

قاعدہ قانون کے مزاق کی حد تک پابند ہیں۔ نوکروں کی جان مصیبت میں رہتی ہے۔ خدا کے لئے کوئی ڈھنگ کا لباس پہن کر چلئے گا ورنہ پہلا اعتراض آپ کے کپڑوں پر ہی ہوگا۔ فوج میں زندگی گزاری ہے اس لئے گھر میں بھی فوجی ڈسپلن چاہتے ہیں۔ بھئی اللہ آخر آپ کب تک سنگھار کرتے رہیں گے۔ اب تیار بھی ہو چکئے" مہ جبیں بار بار گھڑی دیکھ رہی تھی۔

حمید نے جلدی جلدی ٹائی باندھی بالوں میں کنگھا کیا پرس رومال اور دوسری متفرق چیزیں جیب میں رکھتے ہوتے بولا "آیئے چلیئے راستہ کتنی دیر کا ہوگا۔"

"اگر کہیں ٹریفک جام نہ ہوا تو شاید ہم اب بھی وقت پر پہونچ جائیں" مہ جبیں نے دروازہ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

ٹیکسی ریسٹ ہاؤس کے مین گیٹ میں داخل ہوئی تو حمید کی گھڑی میں ساڑھے دس بجنے میں بین تیس سیکنڈ باقی تھے۔ کرنل زاہد برآمدے میں ہی ٹہل رہے تھے۔

"گڈ" انہوں نے مہ جبیں اور حمید کے قریب آنے پر کہا "اگر مزید تیس سیکنڈ تک تم لوگ نہ آتے تو میں لائبریری میں چلا گیا ہوتا۔" انہوں نے سر سے پاؤں تک حمید کا ایک ناقدانہ جائزہ لیا "تو یہ ہیں کیپٹن حمید۔"

"جی ہاں، حمید اسی خادم کو کہتے ہیں" حمید نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا "آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"جی ہاں نہیں، بس سر کہو کیپٹن" کرنل کی تیوری پر بل پڑ گئے "اور بات مختصر کرو۔ اٹینشن"

"یس سر" حمید جلدی سے اٹینشن ہو گیا۔

"تم نے جوتوں پر پالش کب سے نہیں کی ہے کیپٹن۔"

"جی، وہ" حمید نے سر کھجایا۔

"اٹینشن" کرنل کی آواز گونجی۔

"کرنل صاحب یہ فوج کے نہیں پولیس کے کیپٹن ہیں" مہ جبیں منہ بسور کر بولی۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے، اسٹینڈ ایٹ ایز" کرنل نے حکم دیا "میری سمجھ میں نہیں آتا کیپٹن تم اس معاملہ میں کیا کر سکو گے۔ یہ بیوقوف لڑکی خواہ مخواہ تمہارا اور اپنا وقت خراب کرتی پھر رہی ہے"

"مجھے آپ سے سو فیصد اتفاق ہے سر" حمید نے جواب دیا "مگر میں کیا کروں مجھے یہاں بھیجنے والا بھی ایک کرنل ہے اور آپ جانتے ہیں سر، آفٹر آل آرڈر از آرڈر"

"گڈ، پریکٹیکلی رائٹ کیپٹن" کرنل نے اظہار خوشنودی کے طور پر گردن ہلائی "مگر شاہد میرا بیٹا ہے اسے مجھ سے زیادہ کوئی نہیں جانتا، مہ جبیں اور شاہد کا رشتہ میری مرضی سے طے ہوا تھا مگر اس وقت مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ صدیوں پہلے ہمارے خاندان کو دی گئی بددعا شاہد کی بھی تقدیر بن چکی ہے۔ اور اب مجھ سے زیادہ اس

بات کی سچائی کوئی محسوس نہیں کرتا کہ شاہد نے منگنی توڑنے کا فیصلہ کتنا صحیح کیا ہے۔ مہ جبیں کو اس سے دکھ ہونا یقینی ہے مگر زندگی بھر کے روگ سے یہ کہیں بہتر ہے کہ ایک ہی مرتبہ جی بھر کے آنسو بہا لئے جائیں۔"

"میں شاہد صاحب سے ابھی ملا نہیں ہوں" حمید نے کہا "مگر ابھی کل شام ہی انہیں ایک نفسیاتی لمحہ میں دیکھنے کا موقع ملا تھا۔ انہوں نے جس تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کیا اس سے تو قطعاً کوئی شبہ نہیں ہوتا کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

"میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہتے ہو کیپٹن" کرنل زاہد نے بات کاٹ کر کہا "مگر ابھی وہ ذہنی عدم توازن کی انتہا کو نہیں پہونچا ہے ابھی اس پر ابھی مرض کے ابتدائی دورے پڑتے ہیں اور وہ بھی کبھی کبھی۔"

"اگر یہ بات ہے سر" حمید نے جواب دیا "تو اس کا مطلب ہے کہ مناسب علاج و معالجہ سے آنے والے خطرہ کو روکا جا سکتا ہے۔ آپ انہیں کسی اچھے ڈاکٹر کو کیوں نہیں دکھاتے۔"

"کیپٹن" کرنل ناگواری سے بولا "اگر مہ جبیں بھی مجھے شاہد کی طرح عزیز نہ ہوتی تو میں تم سے کہتا کہ یہ میرا خاندانی معاملہ ہے جس میں تمہاری یا کسی اور کی دخل اندازی میں پسند نہیں کر سکتا۔ بہرحال اب یہ لڑکی تمہیں یہاں تک گھسیٹ ہی لائی ہے تو تم شاہد سے مل کر اپنی تسلی کر سکتے ہو اس کے علاوہ کسی مشورہ یا کسی تجویز کے پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ بات

میں تم سے زیادہ جانتا ہوں کہ شاہد کو کسی ڈاکٹری علاج کی ضرورت ہے یا نہیں ہے"

یہ ساری گفتگو برآمدہ میں کھڑے کھڑے ہو رہی تھی کرنل زاہد نے ابھی ان سے اندر چلنے کو بھی نہیں کہا تھا۔ حمید سوچ رہا تھا یہ بڈھا تو بات بات پر پیچھے سے اکھڑ جاتا ہے۔

"آپ نے ابھی بتایا ہے کہ آپ کے خاندان میں یہ موروثی مرض کسی بددعا کا نتیجہ ہے" حمید نے محتاط لہجہ میں کہا "کیا یہ ممکن نہیں ہو سکتا کہ ہم اس بددعا کا توڑ کسی دعا سے کریں۔ میرا مطلب ہے کہ میں ایک ایسے عامل باعمل کو جانتا ہوں جو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

"نانسنس" کرنل نے بات کاٹ دی "میں ان لغویات پر یقین نہیں رکھتا۔"

گیٹ پر کسی کار کے ہارن کی آواز آئی حمید نے پلٹ کر دیکھا ایک پرانے ماڈل کی فورڈ کار اندر داخل ہو رہی تھی۔

"مختار چچا" مہ جبیں نے حمید کے کان میں سرگوشی کی۔ حمید نے دیکھا کہ کار سے اترنے والا شخص ایک اوسط قدوقامت اور وجیہہ خدوخال کا مالک ہے۔ میجر مختار فوج میں رہنے کے باوجود کرنل زاہد کے بالکل برعکس محسوس ہو رہے تھے۔

"میجر" کرنل زاہد رسٹ واچ پر نظریں ڈالتا ہوا بولا۔"تم پورے پندرہ منٹ لیٹ ہو۔"

"چھوڑو یار" میجر مختار نے یوں ہاتھ ہلایا جیسے منہ پر بیٹھی مکھی اڑا رہا ہو" ہر وقت بور مت کیا کرو۔"

"وہاٹ" کرنل چلایا۔" یہ سراسر ڈسپلن کے خلاف ہے۔"

"کہو بیٹی مہ جبین اچھی تو ہو" میجر مختار مہ جبین سے اس طرح مخاطب تھے جیسے اس نے کرنل کی بات ہی نہ سنی ہو۔ بہرہ، حمید کی طبیعت خوش ہو گئی۔ کرنل پر اسے بے حد تاؤ آ رہا تھا مگر وہ اس پوزیشن میں نہیں تھا کہ دل کی بھڑاس نکال سکے۔ میجر مختار کے طرز عمل نے کرنل کے خبطی پن کا صحیح جواب دیا تھا۔

"ان سے ملئے مختار چچا یہ ہیں کیپٹن حمید" مہ جبین نے تعارف کرایا۔

"کرنل فریدی کے اسسٹنٹ تو نہیں" مختار نے پوچھا اور مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔

"جی ہاں بالکل وہی" حمید نے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے جواب دیا۔" مجھے معلوم نہیں تھا کہ فریدی صاحب کے ساتھ رہ کر میں اتنا بدنام ہو گیا ہوں۔"

"بہت شوخ معلوم ہوتے ہو" مختار مسکرائے" مہ جبین نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم یا کرنل فریدی اس معاملہ میں کیا کر سکیں گے۔ یہ کوئی کرمنل کیس تو ہے نہیں۔"

"ویری ویل" کرنل جوش سے بولا "میں تمہارے آنے سے پہلے کیپٹن کو یہی بات سمجھا رہا تھا ۔"

"یہ بات اگر آپ فریدی صاحب کو سمجھا سکیں تو کم سے کم میری چھٹیاں غارت ہونے سے بچ جائیں گی ۔ میں تو اپنی ڈیوٹی پوری کر رہا ہوں کرنل صاحب ۔"

"سر" کیپٹن نے ٹوکا ۔

"تمہارا سر" میجر مختار چڑ کر بولے "کیوں بچوں سے اپنی ہنسی اڑواتے ہو ۔ کتنی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ اب تم فوج میں نہیں ہو ۔ یہ اپنا فوجی پن ختم کرو ۔ اور سیدھی سادھی زندگی گزارنے کی عادت ڈالو ۔"

جواب میں کرنل زاہد نے کچھ کہا تو نہیں مگر حمید کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ میجر مختار کی یہ بات سن کر کرنل کی آنکھوں میں ایک لمحہ کے لئے نفرت و غصہ کی ایک ایسی چمک نمودار ہوئی جو کسی دشمن کی آنکھوں میں ہی دیکھی جاتی ہے مگر یہ صرف پل بھر کے لئے تھا ۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحہ کرنل کے چہرہ کی طرح اس کی آنکھیں بھی کسی قسم کے تاثر سے خالی تھیں ۔ حمید کو شبہ ہوا کہ یہ کہیں اس کا وہم تو نہیں تھا ۔

"کرنل فریدی خود کیوں نہیں آئے ۔" میجر مختار حمید سے مخاطب تھے ۔

"غالباً انہیں کچھ کام تھا" حمید نے بات ٹالی "امید ہے دو چار دن میں پہونچ جائیں گے۔"

"خیر خیر اب آتے ہو تو کوشش کر دیکھو" میجر مختار نے کہا "ٹھہرے کہاں ہو ۔"

"سردست تو وہ کشا ہوٹل میں قیام ہے" حمید نے جواب دیا "مگر میں کرنل صاحب سے یہ درخواست کرنے والا تھا کہ ریسٹ ہاؤس میں جو کمرہ خالی ہے وہ اگر اس میں ٹھہرنے کی اجازت دے دیں تو بہت مناسب ہے۔"

"مگر وہ تو کرایہ پر اٹھ گیا" کرنل صاحب نے جلدی سے کہا "کل ہی کوئی بوڑھا سیاح اس میں آگیا ہے ۔"

"تو پھر کیا ہوا" میجر مختار نے کہا "تمہارے اپنے پورشن میں دو کمرے خالی پڑے ہیں ایک کیپٹن حمید کو دے دو۔"

"مگر ...."

"پلیز کرنل صاحب" مہ جبیں خوشامدانہ لہجہ میں بولی ۔

"آل رائٹ" کرنل کچھ ہچکچاہٹ کے بعد بولا "مگر میں ڈسپلن کی خلاف ورزی بالکل برداشت نہیں کر سکتا ۔"

"اچھا اچھا سن لیا نہیں ہوگی تمہارے ڈسپلن کی خلاف ورزی" مختار نے منہ بنایا پھر حمید کی طرف دیکھ کر کہا "لو بھئی حمید صاحب یہ مسئلہ تو طے ہوا اب تم آج ہی ہوٹل سے سامان لے آؤ ۔"

"مگر ایک بات کان کھول کر سن لو کیپٹن" کرنل نے سخت لہجہ میں کہا

"میں اپنے گھر کے معاملات میں کسی طرح دخل اندازی گوارا نہیں کروں گا تمہارا یہاں ٹھہرنا بھی اگرچہ مجھے پسند نہیں لیکن مہ جبیں اور میجر مختار کے خیال سے اجازت دے دی ہے میں ایک بار پھر یہ کہوں گا کہ تم یہاں محض اپنا وقت ضائع کرو گے۔"

اتنا کہہ کر کرنل زاہد فوجی انداز میں گھوما اور لیفٹ رائٹ قسم کے قدم اٹھاتا ہوا کمرہ میں جا کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"تم زاہد کی باتوں کا کچھ خیال نہ کرنا فوجی زندگی نے اسے خبط کی حد تک ڈسپلن کا عادی بنا دیا ہے" کرنل کے جانے کے بعد میجر مختار نے حمید کو سمجھایا "ویسے میں اس کی اس بات سے متفق ہوں یہ معاملہ ایسا نہیں جس کے لئے کسی کرنل فریدی یا کیپٹن حمید کی ضرورت ہو۔ میں زاہد اور اس کے خاندان کو اچھی طرح جانتا ہوں بد دعا والی روایت میں کتنی صداقت ہے یہ تو میں نہیں کہہ سکتا مگر یہ ایک عجیب اور حیرت انگیز اتفاق ہے کہ کئی نسلوں سے زاہد کے خاندان میں کوئی نہ کوئی فرد ہر پشت میں پاگل ہوتا چلا آیا ہے۔ زاہد کے دادا نے اسی جنون کے ہاتھوں خودکشی کر لی تھی۔ ان کے صرف دو بچے تھے ایک زاہد کے باپ اور ایک پھوپھی، پھوپھی کی زندگی پاگل خانے کی چار دیواری میں ختم ہو گئی۔ ان کے کوئی اولاد نہ تھی چنانچہ یہ دیوانگی صرف زاہد کے والد کے بچوں میں محدود ہو گئی زاہد اپنے والدین کا ایک ہی بچہ تھا اسے اب تک کچھ نہ ہوا تو ہم دونوں یہ سوچ کر خوش تھے کہ شاید بددعا کا اثر زاہد کی پھوپھی پر ختم ہو

گیا۔ مگر اب یہ شاہد کی بدقسمتی تھی کہ پاگل پن کے جراثیم اس کے باپ کے بجائے اس کے حصہ میں آئے۔"

"آپ تو بڑی عجیب داستان سُنا رہے ہیں میجر صاحب" حمید نے حیرت سے کہا "اس سائنسی دور میں بھلا کون یقین کر سکتا ہے کہ دنیا میں اس قسم کے واقعات بھی ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔"

"جہاں تک میں سمجھتا ہوں" میجر مختار نے جواب دیا "ایسی کوئی غیر سائنسی بات تو نہیں ہے یہ عین ممکن ہو سکتا ہے کہ دوسری موروثی بیماریوں کی طرح جنون یا دیوانگی کی کوئی خاص قسم ایسی ہو جو جراثیم کا نتیجہ ہو اور باپ سے بیٹے کی طرف منتقل ہو سکتی ہو۔"

"ہاں ممکن تو ہو سکتا ہے" حمید نے جواب دیا "اچھا میجر صاحب اب اجازت دیں تو میں ہوٹل سے اپنا سامان لے آؤں۔"

"ضرور، بلکہ چاہو تو میں تمہیں ہوٹل تک چھوڑ سکتا ہوں" میجر مختار نے کہا "اتفاق سے میں اسی طرف ایک کام کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔"

"شکریہ" حمید نے کہا اور مہہ جبیں سے مخاطب ہو کر بولا "آپ ساتھ چل رہی ہیں یا ابھی شاہد صاحب سے ملاقات کرنی ہے۔"

مہہ جبیں کچھ شرما سی گئی "آپ لوگ جائیے میں ابھی ٹھہروں گی" اس نے جواب دیا۔

"اچھی بات ہے۔ شام کو تو ملاقات ہوگی نا" حمید بولا "میں چاہتا ہوں کہ شاہد صاحب سے آپ میرا تعارف کرائیں۔"

"آپ کہتے ہیں تو شام کو آجاؤں گی۔" مہ جبیں نے کہا "آئیے میجر صاحب۔"

میجر مختار اور حمید آگے پیچھے چلتے ہوئے کار تک پہونچے۔

"یہ کار آپ نے کب خریدی تھی میجر صاحب" حمید اگلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

"کیا بہت پرانی معلوم ہورہی ہے؟" میجر مختار نے ہنس کر کہا۔

"نہیں کچھ زیادہ تو نہیں، بس یہ ہی کوئی سو دو سو سال پہلے کی معلوم ہوتی ہے۔" حمید نے سادگی سے جواب دیا۔

"گھبراؤ نہیں راستہ میں دھکا نہیں لگانا پڑے گا۔" میجر مختار نے اسٹیرنگ وہیل سنبھالتے ہوئے کہا اور موٹر کا سوئچ آن کردیا۔ ایک ہلکی گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ فورڈ کا وقار دار انجن جاگ پڑا۔ میجر نے گیئر بدلا اور کار خفیف جھٹکے کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔

"آپ کا قیام یہاں کس جگہ ہے میجر صاحب" حمید نے پوچھا۔

"موتی جھیل کے قریب ایک چھوٹی سی جھونپڑی میرا مسکن ہے" میجر نے بتایا "ویسے میرا کوئی ایک ٹھکانہ نہیں، زاہد سے کچھ اتنے قریبی تعلقات ہیں کہ مہینہ میں دس بارہ دن تو ریسٹ ہاؤس ہی میں گزرتے ہیں۔ ایک کمرہ مستقل میرے لئے مخصوص کردیا گیا ہے۔"

"مگر چھوٹی سی جھونپڑی کیوں" حمید نے حیرت ظاہر کی "کیا آپ کے بیوی بچے یہاں نہیں ہیں، معاف کیجئے میں نے بڑی ذاتی نوعیت کا سوال پوچھ لیا ہے"

فورڈ اس وقت ریسٹ ہاؤس کے گیٹ سے نکل رہی تھی۔ اور میجر صاحب نے فوراً ہی بریک نہ لگا دیا ہوتا تو یقیناً اچانک گیٹ میں داخل ہونے والا شخص کار کے نیچے آ گیا تھا۔ کار کو ایک دم سامنے دیکھ کر وہ شخص بوکھلا کر ایک طرف ہٹا اور حمید کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے ریسٹ ہاؤس کے آہنی گیٹ سے چپکا ہوا شخص اس کتھئی کوٹ والے کے علاوہ کوئی نہیں تھا جس سے حمید کی اسٹیشن پر مڈبھیڑ ہو چکی تھی۔

۹

حمید کو اپنی طرف غور سے دیکھ کر کھنی کوٹ والا شخص کچھ گھبرا سا گیا اور جلدی سے تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ریسٹ ہاؤس میں داخل ہو گیا کار اتنی دیر میں گیٹ کے باہر نکل چکی تھی۔ حمید کو پیچھے گھوم کر دیکھتے ہوتے دیکھ کر میجر صاحب نے پوچھا "کیا بات ہے حمید صاحب تم اس بوڑھے سیاح کو بڑے غور سے دیکھ رہے ہو۔"

"بوڑھا سیاح" حمید نے پلکیں جھپکائیں۔

"بھئی وہ زاہد کہہ تو رہا تھا کہ اس نے کل ہی ریسٹ ہاؤس کا کمرہ ایک بوڑھے سیاح کو دیا ہے یہ وہی تھا۔"

"اچھا، بڑا عجیب اور پُراسرار قسم کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔" حمید نے کہا۔ میجر مختار ہنسنے لگے۔

"تم لوگ پولیس میں رہ کر ہر شریف آدمی کو شک کی نگاہوں سے دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہو۔" انہوں نے کہا "ورنہ مجھے تو اس میں کوئی پُراسرا

نظر نہیں آئی، البتہ کچھ کمی ضرور معلوم ہوتا ہے۔"

"خیر چھوڑیئے اسے" حمید نے بات ٹالی "ہاں تو آپ نے بتایا نہیں۔"

"کیا"

"وہ ہی جو میں نے پوچھا تھا۔"

"اوہ اچھا" میجر مختار کچھ سنجیدہ ہوگئے۔ "بھئی میں نے ابھی تک شادی وادی نہیں کی ہے۔" پھر کچھ ہنس کر خود ہی کہنے لگے "اب تم سوال کروگے کہ کیوں نہیں کی ہے۔"

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو ...." حمید نے کہنا شروع کیا۔

"ناخیر حرج کیا ہوتا بس کچھ دل ہی نہیں چاہا" میجر مختار نے ایک گہری سانس لی۔

"میں سمجھ گیا" حمید بولا

"کیا سمجھ گئے۔"

"یہ ہی گستاخی معاف کچھ دل کا معاملہ معلوم ہوتا ہے۔"

"سمجھے تو ٹھیک ہی ہو" میجر مختار کے ہونٹوں پر ایک افسردہ مسکراہٹ آگئی۔ "میرا خیال ہے کہ جب تم شاہد کے معاملہ کی تحقیقات کرہی رہے ہو تو تمہیں پس منظر کے کچھ حالات اور بتا دوں شاید یہ تمہیں کسی مفید نتیجہ پر پہونچا سکیں۔ بات یہ ہے کہ جس طرح شاہد اور مہہ جبیں ایک دوسرے

بھرتی ہونے کے باوجود اس کا منصب مجھ سے زیادہ تھا جنگ شروع ہوئی تو اس سے پہلے مجھے میدان جنگ میں جانے کا حکم آ گیا۔ سعیدہ اور زاہد کی شادی کی خبر مجھے اگلے مورچوں میں ملی ۔ کیا کر سکتا تھا ہاتھ مل کر رہ گیا ۔ مگر اس کے بعد دل دنیا اور اس کی دلفریبیوں سے اتنا اچاٹ ہو گیا کہ لڑائی ختم ہونے کے بعد بھی گھر واپس نہیں لوٹا کوشش کر کے اپنی پوسٹنگ مصر میں کرا لی ۔ اس درمیان میں مجھے یہاں کی ساری خبریں برابر ملتی رہتی تھیں ۔زاہد اگرچہ خط لکھنے کے معاملہ میں کچھ ایسا پُر جوش نہ تھا مگر مہینہ میں اس کا ایک خط ضرور مل جایا کرتا تھا ۔ اسی کے خطوط سے مجھے معلوم ہوا کہ شادی کے نو مہینے بعد سعیدہ کے یہاں شاہد پیدا ہوا اور پھر ایک دن یہ دلخراش خبر بھی اپنی آنکھوں سے پڑھی کہ ایک رات موتی جھیل میں کشتی میں سیر کرتی ہوئی سعیدہ ہمیشہ کے لئے لہروں کی آغوش سو گئی ۔ زاہد اگرچہ کشتی میں اس کے ساتھ تھا مگر کوشش کے باوجود اسے نہیں بچا سکا ۔ سعیدہ کی موت کے بعد زندگی میں جو رہی سہی دلچسپی تھی وہ بھی جاتی رہی ۔ اور میں نے تہیہ کر لیا کہ اب کبھی شادی نہیں کروں گا ۔ ایسا ہی کچھ فیصلہ زاہد نے کیا تھا اس نے بھی سعیدہ کے بعد کسی دوسری عورت کو بیوی بنانے کا خیال نہیں کیا ۔ شاہد اس وقت زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ دو سال کا تھا ۔ اتنے چھوٹے بچہ کی پرورش ماں کے بغیر کتنی مشکل ہوتی ہے

اس کا اندازہ کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ مگر زاہد نے ننھے شاہد کے لئے وہ تمام پریشانیاں ہنسی خوشی برداشت کیں۔ شاہد اس کی تنہا زندگی کا آخری سرمایہ تھا۔ اب تم سمجھ سکتے ہو، کیپٹن کہ جب آج یہ معلوم ہوا ہو گا کہ خاندانی بدعا کا اثر شاہد میں نمودار ہو رہا ہے تو اس کے دل کی کیا کیفیت ہوئی ہو گی۔ مگر وہ ہمیشہ کی طرح یہ صدمہ بھی پوری جوانمردی سے برداشت کر رہا ہے۔"

میجر مختار خاموش ہو گئے۔ حمید بھی اپنے خیالات میں ڈوبا خاموش بیٹھا تھا۔ کار میں چند لمحہ گہرا سکوت چھایا رہا۔

" ان حالات میں یہ بات اور بھی حیرت انگیز ہو جاتی ہے۔" آخر حمید نے کہا " کہ کرنل زاہد شاہد کا علاج کرانے کے اسقدر مخالف کیوں ہیں۔"

" اس کی وجہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں یہ ہے کہ ڈاکٹر لوگ شاہد کو مستقل علاج کے لئے یقینی کسی پاگل خانے میں داخل ہونے کا مشورہ دیں گے اور زاہد اپنی پھوپھی کا حشر دیکھ چکا ہے وہ کسی قیمت پہ یہ نہیں چاہے گا کہ اس کا اکلوتا بیٹا زندگی بھر کے لئے پاگل خانے کی پتھریلی دیواروں میں بند کر دیا جائے۔ اور آخر ایک دن انہی دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر مر جائے۔"

" یہ کوئی ضروری تو نہیں" حمید نے اعتراض کیا " خاص طور سے اس صورت میں ابھی شاہد کا مرض ابتدائی کیفیت میں ہے۔ آدمی کے

۱۰

اپنے کمرہ میں پہونچ کر حمید نے پہلا کام یہ کیا کہ اب تک جو معلومات اسے حاصل ہوئی تھیں یا جو واقعات گڑگام آنے کے بعد پیش آچکے تھے ان کی ایک جامع رپورٹ تیار کی، لفافہ میں ڈالی، لفافہ پر فریدی کا پتہ لکھا۔ نوٹ بک سے ڈاک کے ٹکٹ نکال کر چسپاں کئے اور لفافہ کو حفاظت سے بند کر کے کوٹ کی جیب میں ڈال دیا۔

دو گھنٹہ تک متواتر کام کرنے کے بعد حمید کو چائے کی خواہش ہوئی سوچا کہ سامان پیک کرنے سے پہلے نیچے جاکر ایک پیالی چائے پی آئے۔ کمرہ بند کر کے باہر نکلا۔ قاسم کا کمرہ کچھ آگے پڑتا تھا۔ راہداری بالکل سنسان تھی۔ دوپہر کے وقت یوں بھی ہوٹل میں مقیم لوگ باہر کہیں سیر و تفریح کی غرض سے نکل جایا کرتے تھے۔ حمید قاسم کے دروازہ کے سامنے رکا اور ادھر ادھر دیکھ کر چابی کے سوراخ پر آنکھیں جما دیں۔ اندر کمرہ میں ایک عجیب ہی منظر دکھائی دیا۔ پتہ نہیں وہ سبب

لڑکیاں قاسم کی اپنی دریافت تھیں یا روبی انہیں کہیں سے پکڑ لائی تھی۔ بہرحال کمرہ میں کم سے کم چار لڑکیاں (حمید کو کنجی کے سوراخ سے آتنی ہی نظر آرہی تھیں) سامنے کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھیں اور قاسم انہیں کلغی دار پگڑی اور کمخواب کی شیروانی سمیت، اپنے کمالات دکھا رہا تھا۔ منہ سے لوہے کے موٹے موٹے گولے نکالنے اور لوہے کی سلاخ موڑنے کے بعد اب وہ چاروں لڑکیوں کو ایک میز پر بیٹھنے کی دعوت دے رہا تھا لڑکیاں کچھ شرمائیں کچھ جھجکیں مگر پھر قاسم کے اصرار سے مجبور ہو کر چاروں ایک ساتھ میز پر بیٹھ گئیں غالباً وہ ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکی تھیں کہ قاسم انہیں میز پر بٹھا کر کونسا نیا کرتب دکھانا چاہتا ہے مگر جیسے ہی قاسم میز کے نیچے گھسا لڑکیوں کو ایک دم احساس ہو گیا کہ وہ کیا کرنے والا ہے۔ اور سب کی سب ہلکی چیخیں مار کر میز سے اتر آئیں۔ قاسم نے ایک مرتبہ پھر کھیسیں نکال کر ان کی منت خوشامد کر کے میز پر بٹھایا اور خود میز کے نیچے گھس کر پہلے دونوں ہاتھوں سے وزن کا اندازہ کیا اور پھر ایک ہی مرتبہ یاعلی کا نعرہ لگا کر جو زور کیا تو میز کسی تخت رواں کی طرح اوپر اٹھتی چلی گئی۔ میز اٹھا کر قاسم نے کمرے کے دو تین چکر لگائے۔

حمید کی رگِ شرارت پھڑک اٹھی۔ جیب میں ہاتھ ڈالا پرس کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملی۔ حمید نے جلدی سے پرس کھول کر ایک دس کا نوٹ نکالا، موڑ کر نلکی سی بنائی، سائز اتنا رکھا کہ چابی کے

سوراخ میں آسانی سے آسکے۔ ادھر ادھر دیکھا۔ قریب ہی ایک چونے کا برتن رکھا ہوا تھا جو عموماً سگرٹ کے ٹوٹے وغیرہ پھینکنے کے لئے ہوٹلوں میں رکھوا دیئے جاتے ہیں۔ تلاش کیا تو دو تین باریک چونے کے پتھر ہاتھ آ گئے۔ حمید نے سوراخ سے جھانکا۔ قاسم میں دروازہ کے سامنے میز اٹھائے کھڑا تھا۔ حمید نے جلدی سے نلکی سوراخ میں جمائی پتھر نلکی میں رکھا اور پوری قوت سے پھونک ماری۔

اب یہ اتفاق ہی تھا کہ پتھر نلکی میں سے نکل کر سیدھا قاسم کی توند پر جا کر لگا "ارے باپ رے" حمید نے قاسم کی آواز سُنی اور اس کے بعد اڑا اڑا دھم دھماکے کے ساتھ ہی لڑکیوں کی ملی جلی چیخیں بھی اُبھریں۔ حمید نے سوراخ سے دیکھا میز الٹی پڑی تھی، دو لڑکیاں میز کے نیچے دبی پڑی تھیں اور باقی وہ قاسم کے حصہ میں آئی تھیں ایک ہنگامہ مچا ہوا تھا۔ قاسم گر جاتے تو اس کا اٹھنا مشکل ہوتا ہے۔ روبی بھی شاید کمرے میں کسی طرف موجود تھی۔ حمید نے اسے آگے بڑھ کر پہلے میز اور پھر اس کے بعد قاسم کو اٹھاتے دیکھا۔

"یہ کیا حماقت تھی۔" حمید نے روبی کو کہتے سُنا۔ قاسم کی اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ ہوا کیا بڑی کوشش سے اس نے ہانپتے ہوئے جواب دیا "تو... کوئی چیز میری توند پہ آ کر لگی تھی۔" لڑکیاں اپنی چوٹ بھول کر بے تحاشہ ہنس پڑیں اور

قاسم کہہ رہا تھا " اس سالے ہوٹل میں ضرور کوئی گڑبڑ گھوٹالا ہے ۔"

حمید کو ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو گئی ۔ بڑی کوشش سے اس نے خود پر قابو پاکر دروازہ پہ دستک دی اور دبنگ آواز بنا کر بولا " کون ہے کمرہ میں ۔ یہ کیا شور مچا رکھا ہے ۔ ہوٹل کو سرکس سمجھ لیا ہے تم لوگوں نے ، ابھی جاکر منیجر سے شکایت کرتا ہوں ۔"

" مر گئے " قاسم کی پھنسی پھنسی آواز سنائی دی ۔

" چلو بھاگو تم لوگ " روبی نے لڑکیوں سے کہا " کوئی منیجر سے شکایت کرنے جا رہا ہے ۔"

حمید بھاگتا ہوا زینہ کے پاس پہونچا اور پیچھے مڑکر دیکھے بغیر سیڑھیاں اترتا چلا گیا ۔ ہال کے ساتھ ہی استقبالیہ کاؤنٹر بھی خالی تھا ۔ حمید نے ریسیور اٹھاکر آپریٹر سے قاسم کے کمرہ کا نمبر مانگا ایک لمحہ سکوت کے بعد اس نے دوسری طرف گھنٹی بجنے کی آواز سُنی ۔

" ہیلو " حمید نے روبی کی آواز پہچان لی ۔

" نواب صاحب ہیں ؟" اس نے پوچھا

" جی ہاں ہیں ۔"

" ذرا انہیں فون دیجئے " حمید نے کہا ۔ جواب میں کچھ دیر کھسر پھسر کی آوازیں آتی رہیں پھر قاسم کی آواز اُبھری " فون صاحب ہیں " وہ پوچھ رہا تھا ۔

"میں تمہارا باپ بول رہا ہوں" حمید نے جواب دیا۔
"اے سالے اباجان تم یہاں کہاں آمرے" قاسم نے یہ فقرہ کسی کو سنانے کے لئے نہیں کہا تھا وہ تو بس بے اختیار اس کے منہ سے نکل گیا تھا اب یہ دوسری بات ہے کہ وہ گھبراہٹ میں ریسیور پر ہاتھ رکھنا بھول گیا تھا۔
"ابے او ہاتھی کے بچے" حمید سانپ کی طرح پھنکارا "میں تیرا اباجان نہیں چچا جان ہوں۔ کل رات ٹھیک بارہ بجے موتی جھیل پر پانچ ہزار روپیہ لے کر نہیں پہونچا تو خان بہادر عاصم صاحب کو ان سب عیاشیوں کی رپورٹ کر دی جائے گی، سمجھ میں آیا۔"
"بالکل سمجھ میں آگیا چچا جان" قاسم کی آواز آئی "اے تم وہ ہی کھت والے چچا جان تو نہیں ہو۔"
"وہ ہی ہوں بیٹا" حمید نے کہا "ایک بات اور یاد رکھو۔ تمہیں موتی جھیل کے بوٹ ہاؤس میں پہونچنا ہے، اور جب تک میں نہ آؤں ایک ہاتھ میں نوٹوں کا بنڈل سنبھالے دوسرے ہاتھ کے سہارے فرش پر اُلٹے کھڑے رہو گے۔"
"اُلٹے کیسے کیا ٹانگیں اوپر کر کے" قاسم نے وضاحت چاہی۔
"ہاں" حمید نے جواب دیا "اور ساتھ ساتھ منہ سے بکتے

جاؤ میں اُلّو ہوں میں اُلّو ہوں "

" ابے تم کھُد اُلّو بلکہ اُلّو کی دُم حرام جادے سالے چچا جان"

قاسم کو غصّہ آگیا۔

" اپنے اور بھتیجے ذرا ہوش میں " حمید دہاڑا " رپورٹ ملتے ہی خان بہادر صاحب شام کے ہوائی جہاز سے یہیں موجود ہوں گے "

" ارے تم تو خفا ہو گئے پیارے چچا جان مَیں تو مجاق کر رہا تھا " قاسم کی جان نکل گئی۔

" کل رات پانچ ہزار روپے لے کر کہاں پہونچنا ہے " حمید نے پوچھا۔

" موتی جھیل " قاسم مری ہوئی آواز میں بولا۔

" اور کیا کرنا ہے "

" ایک ہاتھ پر الٹا لٹک کے...."

" لٹک کے نہیں سر کے بل کھڑا ہو کے " حمید نے بات کاٹی۔

" ہاں ہاں کھڑا ہو کے مَیں اُلّو ہوں مَیں اُلّو ہوں کا جھفیظہ پڑھنا ہے "

" جھفیظہ " حمید نے پھٹکارا۔

" ارے نہیں وظیفہ " قاسم گھبرا کر بولا " مُنہ سے نکل گیا

تھا سالا ۔"

"ٹھیک ہے" حمید نے کہا اور ریسیور رکھ دیا ۔

واپس ہال میں آیا تو ایک ویٹر چائے کی خالی ٹرے لے جاتا ہوا نظر آگیا ۔

"چائے مل سکے گی" حمید نے پوچھا ۔

"کیوں نہیں جناب ابھی لایا" ویٹر نے جواب دیا ۔

"یہ اس وقت یہاں اُلو کیوں بول رہے ہیں" حمید نے ہال کی طرف اشارہ کیا ۔

"ارے نہیں صاحب" ویٹر نے کھیسیں نکالتے ہوئے کہا "آپ نے کچھ اور سُنا ہوگا پہاڑوں پر اُلو نہیں ہوتے ۔"

"واہ بیٹے خوب سمجھے، اچھا چلو چائے لے کر آؤ ۔"

چائے سے فارغ ہو کر حمید نے کمرہ میں جا کر سامان پیک کیا منیجر کو فون کرکے کمرہ چھوڑنے کی اطلاع کی اور بل بھیجنے کے لئے کہا ۔

حمید نے کاؤنٹر پر جا کر بل کی رقم ادا کی ۔ ویٹر سے ٹیکسی منگوا کر سامان رکھوایا اور خود باقی چینج سنبھالتا ہوا باہر جا رہا تھا کہ دروازہ پر کوئی شخص بڑے زور سے حمید سے آ ٹکرایا ۔ چند سکے حمید کے ہاتھ سے نکل کر فرسش پر گر پڑے اس نے چونک کر ٹکرانے والے کو دیکھا ۔

"معاف کیجیے گا جناب" بوڑھے سیاح نے تنکوں کا ہیٹ سر سے اتارتے ہوئے معذرت چاہی اور جھک کر گرے ہوئے سکے اٹھانے لگا۔ سکے اٹھا کر اس نے حمید کے ہاتھ پر رکھے سر کو تھوڑا خم کرتے ہوئے سلام کیا اور آگے بڑھ گیا۔ حمید حیران نظروں سے چند لمحہ اُسے گھورتا رہا پھر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

---

(11)

ٹیکسی ریسٹ ہاؤس کی طرف بھاگی چلی جا رہی تھی اور حمید سوچ رہا تھا کہ بوڑھے سیاح کا ٹکرانا محض ایک اتفاق تھا یا ان پراسرار واقعات کی کوئی کڑی بھی کا کوئی مفہوم فی الحال حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ٹیکسی پوسٹ آفس کے سامنے سے گزری تو حمید کو دفعتاً رپورٹ کا خیال آ گیا۔

"ٹھہرنا" اس نے ڈرائیور سے کہا "مجھے ایک ضروری خط پوسٹ کرنا ہے۔"

ڈرائیور نے فوراً بریک لگائی اور ٹیکسی پوسٹ آفس سے چند گز آگے جا کر رُک گئی۔ حمید دروازہ کھول کر نیچے اُترا۔ ایک ہاتھ کوٹ کی اندرونی جیب میں ڈالتے ہوئے اس نے ابھی ایک قدم ہی آگے بڑھایا تھا کہ ایک دم چونک کر رُک گیا اس کا ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھا مگر جیب جس میں رپورٹ کا لفافہ رکھا تھا کسی فاقہ کش کے پیٹ کی طرح خالی تھا۔ بجلی کی طرح ایک خیال حمید کے ذہن میں کوند گیا۔ بوڑھا سیاح اور وہ

دانت پیستا ہوا دوبارہ ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔

"واپس ہوٹل چلو" اس نے ڈرائیور کو ہدایت کی۔ ڈرائیور نے گھوم کر حمید کی طرف دیکھا مگر کچھ کہے بغیر اس نے ٹیکسی کا رُخ ہوٹل کی طرف موڑ دیا۔ ہوٹل کے دروازہ پر حمید نے ٹیکسی رکنے کا انتظار بھی نہیں کیا ایک جھٹکے سے دروازہ کھولتے ہوتے بے تحاشہ چھلانگ لگا دی۔ اور دوسرے لمحہ وہ ہوٹل کے اندر تھا ہال میں اب بھی دو چار آدمیوں سے زیادہ نہیں تھے اور ان میں سے کسی پر بوڑھے سیاح کا شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

مایوس ہو کر حمید استقبالیہ کاؤنٹر پر پہونچا۔

"ابھی ابھی جس وقت میں یہاں سے گیا ہوں تو ایک بوڑھا سا آدمی کھتئی رنگ کا کوٹ پہنے اور تنکوں کا ہیٹ لگائے اندر آیا تھا" اس نے کلرک سے پوچھا "کچھ بتا سکتے ہو کہ وہ کب واپس گیا۔"

"وہ تو آپ کے جاتے ہی چلے گئے تھے" کلرک نے جواب دیا "کیوں کچھ کام تھا آپ کو ان سے۔"

حمید نے ایک گہری سانس لی اب وہ کلرک کو کیا بتاتا کہ اُسے اس شخص سے کیا کام تھا۔ بہرحال اس نے کلرک کا شکریہ ادا کیا اور واپس ٹیکسی میں آ بیٹھا۔ ڈرائیور نے سوالیہ نگاہوں سے پیچھے گھوم کر دیکھا۔

"ریسٹ ہاؤس" حمید نے کہا اور ماتھا نکال کر بھرنے لگا

ریسٹ ہاؤس میں ایک نوکر کے سوا حمید کے استقبال کے لئے اور کوئی موجود نہیں تھا۔ ٹیکسی رکتے ہی اس نے آگے بڑھ کر حمید کو سلام کیا۔ اور سامان اتارنے لگا۔

"کرنل صاحب گھر میں نہیں ہیں" حمید نے پوچھا اور جیب سے پرس نکال کر ڈرائیور کو کرایہ ادا کیا۔

"جی نہیں سرکار"

"اور شاہد صاحب"

"وہ بلیا کے ساتھ کوئی ایک گھنٹہ پہلے باہر چلے گئے" نوکر نے جواب دیا۔

"تمہارا نام کیا ہے"

"رحمت سرکار"

"رحمت سرکار" حمید نے مسکرا کر دہرایا۔

"جی نہیں" رحمت گڑبڑا کر بولا "میرا مطلب تھا کہ میرا نام رحمت ہے۔"

"اچھا رحمت یہ بتا سکتے ہو کہ اس وقت ریسٹ ہاؤس میں کتنے لوگ ٹھہرے ہوتے ہیں۔" حمید نے پوچھا۔

"دس کمرے ہیں سرکار" رحمت نے ہولڈال اور اٹیچی کیس اٹھاتے ہوئے جواب دیا "اور اتفاق سے سب ہی اُٹھ گئے ہیں۔"

رحمت سامان اٹھا کر چلا تو حمید اس کے پیچھے ہی تھا۔

"ایک بوڑھا سا غیر ملکی سیاح بھی تو شاید کسی کمرہ میں ٹھہرا ہوا ہے" حمید نے کہا۔

"جی ہاں وہ صاحب۔ ابھی پرسوں ہی آئے ہیں"۔ رحمت نے برآمدے کے داہنی جانب مڑتے ہوئے کہا۔

حمید نے دیکھا ریسٹ ہاؤس کی عمارت دو بڑے بلاکوں پر مشتمل تھی۔ ایک نسبتاً چھوٹا بلاک جو پانچ کمروں پر محیط تھا گیٹ کے سامنے ہی بنا ہوا تھا اور کرنل زاہد کے زیر استعمال تھا۔ دوسرا بلاک انگریزی کے حرف یو کی شکل میں پہلے بلاک کے عقب میں تعمیر کیا گیا تھا۔ اس دوسرے بلاک سے ایک چہار دیواری پہلے بلاک کو احاطے میں لیتے ہوئے گیٹ تک چلی گئی تھی۔ پہلے بلاک کے پانچوں کمرے ایک ہی لائن میں تھے۔ پہلا کمرہ کرنل کا تھا دوسرا شاہد کا اور تیسرا میجر مختار کے لئے وقف رہتا تھا۔ حمید کے حصہ میں آخری کمرہ آیا تھا میجر مختار اور حمید کے کمرہ کے درمیان ایک کمرہ خالی تھا اور رحمت نے بتایا کہ ہمیشہ مقفل ہی رہتا ہے۔ گیٹ کے سامنے برآمدہ کے پورشن میں مزید دو کمرے نکال کر ایک کو ڈرائنگ روم اور دوسرے کو لائبریری بنا دیا گیا تھا۔ حمید کے ایک اور سوال کے جواب میں رحمت نے بوڑھے سیاح کے کمرہ کی طرف اشارہ کیا اور حمید نے دیکھا کہ بوڑھے سیاح کا کمرہ دوسرے بلاک کے اس بازو میں واقع تھا جو حمید کے کمرہ کی جانب تھا اس طرح حمید اپنے کمرہ کی کھڑکی سے اس کے کمرہ کو بہ آسانی نگاہ میں

رکھ سکتا تھا ۔

رحمت نے حمید کے کمرہ کا دروازہ کھول کر سامان اندر رکھ دیا کمرہ خاصا وسیع اور آرام دہ تھا حمید نے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر دیکھا بوڑھے سیاح کے کمرہ کا دروازہ بند تھا اور باہر سے تالا پڑا ہوا تھا جس کے معنے یہ ہو سکتے تھے کہ حمید کو ملنے کے بعد سے وہ ابھی تک واپس نہیں آیا ہے ۔

" تمہارے علاوہ یہاں اور کتنے نوکر ہیں ۔ " حمید نے پوچھا ۔

" جی بس ایک میں ہی ہوں " رحمت نے جواب دیا " اوپر کے کام کے لئے کئی نوکر رکھے مگر کوئی ٹکتا ہی نہیں "

" کھانا وغیرہ تم ہی پکاتے ہو ۔"

" جی صاحب "

" رات کو بھی یہیں رہتے ہو گے ۔ "

" جی ہاں کچن کے برابر ایک چھوٹی سی کوٹھڑی کرنل صاحب نے مجھے دے دی ہے ۔ " رحمت نے جواب دیا ۔

" کب سے ملازم ہو " حمید نے پوچھا ۔

" آٹھ دس سال ہو گئے سرکار کرنل صاحب کی خدمت کرتے ہوئے ۔ "

" اُن کے لڑکے شاہد کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے ۔ "

" میرا کیا خیال ہوتا صاحب "

" میرا مطلب ہے کہ طبیعت کے کیسے ہیں ۔"

" بہت نیک اور شریف طبیعت پائی ہے صاحب شاہد میاں نے ، کرنل صاحب نے بالکل اُلٹ سمجھیے ، مجھ سے آج تک کبھی بگڑ کے بات نہیں کی رحمت بابا کہتے منہ سوکھتا ہے ۔"

" مستقل یہیں رہتے ہیں یا کہیں باہر بھی جاتے ہیں ۔"

" جب سے کرنل صاحب نے فوج کی ملازمت سے استعفیٰ دلوایا ہے تب سے تو یہیں رہتے ہیں " رحمت نے جواب دیا " اس سے پہلے البتہ ملازمت کے سلسلہ میں زیادہ تر باہر رہتے تھے ۔"

" فوج کی نوکری چھوڑے کتنے دن ہو گئے ؟"

" یہ ہی کوئی سال بھر کی بات ہو گی سرکار "

" کرنل صاحب کی فوجی عادتوں کی وجہ سے تمہیں تو بڑی پریشانی ہوتی ہو گی " حمید نے کہا

" شروع شروع میں بہت ہوتی تھی صاحب ، پر اب تو عادت سی پڑ گئی ہے " رحمت نے جواب دیا " اچھا صاحب تو میں اب جاؤں کوئی کام ہو تو بتا دیجیے ۔"

" نہیں فی الحال تو کوئی کام نہیں ، ضرورت ہو گی تو بلا لوں گا ۔"

" وہ آپ کی میز کے پاس جو بٹن لگا ہے صاحب " رحمت نے اشارہ کرتے ہوئے کہا " وہ گھنٹی کا ہے جب کوئی کام ہو تو اسے دبا دیں میں

آجاؤں گا۔"

رحمت کے جانے کے بعد حمید نے ہولڈال کھول کر بستر نکال کر پلنگ پر بچھایا۔ اٹیچی سے کپڑے نکال کر الماری میں لٹکائے اور میز پر بیٹھ کر فریدی کے لیے دوسری رپورٹ لکھنے لگا۔ جتنی کھڑکی میز کے بالکل سامنے تھی لکھتے لکھتے نگاہ اٹھاکر بوڑھے سیاح کے دروازہ کو بھی دیکھ لیتا مگر وہ ابھی تک بند ہی تھا۔

حمید رپورٹ لکھ کر فارغ ہوا ہی تھا کہ کمرہ کے دروازہ پر دستک سنائی دی اور ساتھ ہی مہ جبیں شاہد کو ساتھ لئے اندر داخل ہوئی۔

"ہم لوگ ابھی باہر سے آتے تو معلوم ہوا کہ آپ آگئے ہیں۔" مہ جبیں نے کہا "میں نے سوچا شاہد سے آپ کا تعارف ہی کرا دوں"

"ضرور" حمید کرسی سے اُٹھ کر ان دونوں کی طرف بڑھا۔

"میرا نام شاہد ہے" شاہد نے خود ہی اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا "بی اے پاس کرنے کے بعد کرنل صاحب کے اصرار پر فوج میں بھرتی ہو گیا تھا اور اب ان ہی کے اصرار پر ڈسچارج لے کر گھر آگیا ہوں۔ فی الحال گھر میں پڑے رہنے یا ادھر ادھر آوارہ گردی کرنے کے علاوہ زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے اور اس وقت جو حالات درپیش ہیں ان میں شاید ہی کبھی کوئی مقصد متعین ہو سکے"

"مجھے حمید کہتے ہیں ....." حمید شاہد سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ مگر مہ جبیں نے اُسے فقرہ مکمل نہیں کرنے دیا۔

"بس بس آپ کو اپنا تعارف کرانے کی چنداں ضرورت نہیں" وہ مسکرائی "ہم لوگ آپ کے بارے میں اتنا کچھ جانتے ہیں کہ شاید خود آپ کو بھی نہیں معلوم ہوگا۔"

"جی ہاں غائبانہ تعارف تو بہت پہلے سے تھا" شاہد نے بھی کہا "میں اور مہ جبیں دونوں آپ کے اور کرنل فریدی کے کارنامے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ دلوں میں ملاقات کی حسرت تھی تو آج وہ بھی پوری ہوگئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کبھی خیال بھی نہیں آیا تعارف آپ سے اس قسم کے حالات میں ملنا ہوگا۔"

"آپ نے دو مرتبہ اپنی گفتگو میں کچھ مخصوص حالات کی طرف اشارہ کیا" حمید نے غور سے شاہد کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا "مگر اس سلسلہ میں جو باتیں میرے سننے میں آئی ہیں انہیں سننے اور پھر آپ کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسا تعلیم یافتہ اور ذی فہم انسان بھی پرانی روایات کے چکر میں پھنس سکتا ہے۔"

"میری ذہنی کیفیت آجکل کچھ عجیب سی ہے۔ حمید صاحب" شاہد نے جواب دیا "گھنٹوں اپنے بارے میں غور کرتا رہتا ہوں۔ مگر بظاہر مجھے کچھ ایسی ابنارمل یا غیر معمولی قسم کی بات نظر نہیں آتی۔ جس سبب مجھے اپنی ذہنی صلاحیت پر شبہ ہو۔ مگر اس کے ساتھ کچھ ایسی باتیں اور واقعات کا تجربہ بھی ہوا ہے۔ جن کے بارے میں سوچ کر میرا دل بیٹھنے لگتا ہے۔ کہ بہت ہی غیر محسوس طریقہ پر میرے اندر کچھ ایسی تبدیلیاں پیدا

ہو رہی ہیں۔ جن کا نتیجہ اسس صدیوں پرانی روایت کے عین مطابق نکل سکتا ہے۔ میں اور مہہ جبیں بچپن سے ایک دوسرے کو چاہتے آتے ہیں۔ اور آج بھی دنیا میں مجھے کوئی زیادہ محبوب نہیں۔ اور اسس محبت اور تعلق خاطر کی بنا پر میں یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوا۔ کہ ایک ایسے شخص کے ساتھ جس کے ذہنی مستقبل کے بارے میں کوئی اچھی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی۔ مہہ جبیں کی آئندہ زندگی کو وابستہ کر دینا۔ ایسی اندوہناک غلطی ہوگی۔ جس کا کوئی تدارک نہیں کیا جا سکے گا۔ مگر یہ بات اسس جذباتی لڑکی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ یہ اپنی محبت کے جوش میں ایک ایسا ہار اپنے گلے میں ڈالنے پر مصر ہے جو کل پھانسی کا پھندا بھی بن سکتا ہے۔" "دیکھو شاہد"

مہہ جبیں جذبات سے رندھی ہوئی آواز میں بولی۔" اگر تم نے اس قسم کی باتیں شروع کر دیں۔ تو ابھی اسس وقت تمہارے سامنے اس دیوار سے اپنا سر پھوڑ لوں گی۔"

" آپ نے دیکھا حمید صاحب" شاہد نے مہہ جبیں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوتے کہا۔" یہ مہہ جبیں میرا اپنے فیصلہ پر قائم رہنا کس قدر دشوار کیے دے رہی ہیں۔ اب آپ ہی اسے سمجھائیں کہ اس کی بہتری کس بات میں ہے۔"

" میرا خیال ہے شاہد صاحب" حمید بڑے ٹھہرے ہوئے لہجہ میں گویا ہوا۔ کہ آپ نے اب تک اپنی سوچوں میں کسی اور کو شریک ہونے کا موقع نہیں دیا۔ جن باتوں یا واقعات سے آپ دوچار ہوتے

آپ نے انہیں اپنی فہم کے مطابق دیکھا سمجھا اور اپنے طور پر ان کی بنیاد پر ایک اتنا بڑا فیصلہ کر ڈالا۔ اگر آپ ان ہی باتوں کو کسی کے سامنے بیان کر کے اس کی رائے جاننے کی کوشش کرتے تو یہ عین ممکن تھا کہ وہ ان کی کوئی دوسری ہی توجیہہ آپ کے سامنے پیش کرتا کوئی دوسرا ہی پہلو آپ کو اجاگر کر کے دکھاتا اور آپ محسوس کرتے کہ جو فیصلہ آپ نے کیا ہے اس کے قطعی برعکس کوئی دوسرا فیصلہ بھی ان ہی واقعات کی بنیاد پر کیا جا سکتا ہے۔"

"آپ کی باتیں مجھے ایک مرتبہ پھر تذبذب میں ڈال رہی ہیں" شاہد کے ماتھے پر سوچ کی گہری لکیریں ابھر آئی تھیں۔

"دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ میری باتوں کی معقولیت کو تسلیم کر رہے ہیں" حمید نے کہا "اگر یہ درست ہے تو میں آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ مجھے ان واقعات کو جاننے کا موقع دیں۔ ابھی نہیں اچھی طرح غور کر کے، مجھے اپنا ہمدرد اور بہی خواہ سمجھتے ہوئے کل پرسوں یا جب آپ کا دل چاہے وہ حالات بتائیں شاید میں آپ کی الجھن کا کوئی ایسا حل تلاش کر لوں جو آپ دونوں کی زندگی کو ناکامی سے بچا لے۔"

شاہد کے چہرہ کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ اس وقت اس کا ذہن ایک شدید کشمکش سے دوچار ہے مہ جبیں بڑی پُر امید نگاہوں سے شاہد کو دیکھے جا رہی تھی۔ کافی دیر کی خاموشی کے بعد آخر شاہد نے کہا "میں

ابھی اس کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ آپ مجھے آج کی بات غور کرنے کا موقع دیں کل انشاء اللہ آپ کو کوئی جواب دے سکوں گا۔"

"جیسی آپ کی خوشی" حمید نے جواب دیا۔ شاہد نے اس کے بعد کوئی دوسری بات نہیں کہی۔ کھوتے کھوتے انداز میں وہ بڑے آہستہ قدم اٹھاتا ہوا کمرہ سے باہر نکل گیا۔ مہ جبیں شاید دانستہ پیچھے رہ گئی تھی۔ شاہد کے جانے کے بعد وہ حمید کے قریب آئی حمید نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے نم ہیں اور وہ بڑی کوشش سے انہیں بہنے سے روکے ہوتے ہے۔

"حمید بھائی" مہ جبیں نے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے کہا "کبھی کبھی انسان کا پہلا تاثر کتنا غلط ہوتا ہے۔ آپ یقین کریں آج میں اپنے اس ہاتھ کو سزا دیئے بغیر نہیں رہوں گی جو اس دن آپ پر اٹھا تھا۔"

اور اس سے پہلے کہ حمید جواب میں کچھ کہتا مہ جبیں بھاگتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

۱۲

اس رات حمید دیر تک بستر پر پڑا کروٹیں بدلتا رہا۔ شام کے کھانے پر شاہد سے دوبارہ ملاقات ہوئی تھی مگر وہ اس وقت بھی کسی گہری فکر میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا تھا۔ مہ جبیں واپس چلی گئی تھی کرنل زاہد نے اپنا کھانا کمرہ میں منگوا لیا تھا۔ حمید خود بھی بجھا بجھا سا تھا اور اگر میجر مختار نہ آگئے ہوتے تو وہ کھانا کھا کر سیدھا اپنے کمرہ کا رُخ کرتا۔ لیکن میجر صاحب کی باتوں میں اُلجھ کر رات کے گیارہ بج گئے۔ گفتگو کے درمیان حمید کا ذہن بار بار اس پُر اسرار بوڑھے سیاح کی طرف منتقل رہا جو رحمت کے بیان کے مطابق ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی میجر مختار رخصت ہوتے حمید اس بوڑھے سیاح کی خبر لینے پلٹ پڑا۔ مگر اُسے مایوسی ہوئی کہ بوڑھے کا کمرہ ابھی تک تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔

بستر پر لیٹ کر حمید نے ایک مرتبہ پھر سارے واقعات کا جائزہ

لیا اور ان سے کوئی نتیجہ نکالنے کی کوشش کی مگر سوچتے سوچتے اس کے سر میں درد ہوگیا پھر بھی کوئی بات سمجھ میں نہیں آسکی۔ وہ فریدی پر جھنجھلانے لگا کر بیٹھے بٹھائے اچھی مصیبت میں پھنسا دیا ہے اور ستم یہ کہ خود غائب ہیں۔ گر کام آئے دو دن ہو چکے تھے مگر کوئی اطلاع نہیں ملی تھی کہ خود حضرت کب تک آ رہے ہیں حالانکہ فریدی نے کہا یہ ہی تھا کہ وہ حمید کی رپورٹ ملنے پر آنے نہ آنے کا فیصلہ کرے گا مگر اتنے دنوں کے ساتھ کے بعد حمید کم سے کم اتنا تو سمجھ ہی جاتا تھا کہ کب فریدی کوئی ایسی بات کہہ رہا ہے جس پر عمل کرنے کا اس کا قطعاً ارادہ نہیں ہے۔

حمید نے طے تو یہ ہی کیا تھا کہ جب تک وہ بوڑھا سیاح نہیں آجائے گا وہ جاگتا رہے گا مگر پھر نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ گہری نیند سو گیا۔ پتہ نہیں وہ کتنی دیر سویا ہوگا کہ ایک عجیب سی آواز نے اس کی نیند توڑ دی۔ نیم بیداری کے عالم میں حمید نے محسوس کیا کہ کوئی اس کے کمرہ کے دروازہ کو نچوں سے کھرچ رہا ہے دوسرے لمحہ ساری نیند اس کی آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی وہ چونک کر اٹھ بیٹھا۔ کان لگا کر آواز دوبارہ سننے کی کوشش کی مگر ہر طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ چند لمحہ انتظار کے بعد حمید اس آواز کو اپنا وہم سمجھ کر دوبارہ سونے کی کوشش کر رہا تھا کہ وہ ہی آواز رات کے سناٹے میں پھر ابھری۔ مگر اس وقت

وہ کسی اور دروازہ سے آرہی تھی بالکل جیسے کوئی غضبناک درندہ اپنے تیز ناخنوں سے دروازہ توڑنے کی کوشش کر رہا ہو اور اس وقت حمید نے پہلی مرتبہ کھرچنے کی آواز کے ساتھ ہی کسی کے گہری گہری سانسوں کے ساتھ ہانپنے کی آواز بھی سنی۔ جلدی سے اس نے سرہانے رکھا ہوا گاؤن اٹھا کر پہنا، تکیہ کے نیچے سے ریوالور نکالا اور ننگے پیر دروازہ کی طرف بڑھا۔ آواز پھر بند ہو گئی تھی حمید نے آہستہ سے چٹخنی نیچے گرائی اور ایک جھٹکے سے کواڑ کھول دیا۔ برآمدہ میں بہت ہلکی طاقت کا بلب روشن تھا۔ حمید نے ایک لمحہ توقف کے بعد باہر جھانکا مگر برآمدہ ایک کونے سے دوسرے کونے تک خالی پڑا ہوا تھا۔ حمید نے بوڑھے سیاح کے کمرہ کی طرف نگاہ ڈالی کمرہ تاریک تھا مگر اتنے فاصلہ سے یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ تالا کھلا ہے یا بند۔ اس نے اپنی رسٹ واچ دیکھی ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔

حمید دروازہ بند کر کے دوبارہ بستر پر آکر لیٹ گیا اور جب کافی دیر جاگنے کے بعد بھی وہ آواز سنائی نہ دی تو چادر تان کر سو بھی گیا اور اس وقت تک سوتا رہا جب تک دروازہ پر مسلسل دستک کی آواز نے اسے پھر نہ جگا دیا۔

"کون ہے" حمید نے دروازہ کھولنے سے پہلے پوچھا۔

"میں ہوں کیپٹن" کرنل زاہد کی دبی ہوئی آواز آئی "دروازہ کھولو"

"کیا بات ہے کرنل صاحب" حمید نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا

کرنل زاہد گاؤن پہنے دروازہ کے سامنے کھڑے تھے مگر ان کا چہرہ، حمید چونک گیا ۔ کسی لاش کی مانند سفید ہو رہا تھا۔

" ذرا میرے ساتھ آؤ " کرنل نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا ۔ وہ باورچی خانے کی طرف جا رہے تھے ۔

حمید نے برآمدہ میں نکل کر دیکھا آسمان پر صبح کاذب کے آثار نمودار ہو رہے تھے ۔ وہ تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا کرنل زاہد کے قریب پہونچا ۔ کرنل صاحب اس وقت تک باورچی خانے کے دروازہ تک پہونچ چکے تھے ۔

" یہ دیکھو " انہوں نے زمین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور حمید کی آنکھیں شدت تحیر سے پھیل گئیں ۔ اس کی نظروں کے سامنے ایک بلی کی لاش پڑی تھی مگر اس حال میں کہ اس کا گلا کسی تیز دھار والی چیز سے جسم سے الگ کر دیا گیا تھا ۔ چاروں طرف خون پھیلا ہوا تھا اور خون کی کچھ بوندیں ایک خاص سمت کچھ دور تک چلی گئی تھیں ۔

" اب اس طرف آؤ " کرنل نے جیسے کہیں دور سے آواز دی ۔ ان کے قدم شاہد کے کمرہ کی طرف اٹھ رہے تھے ۔

شاہد کے کمرہ کے سامنے پہونچ کر انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا حمید نے دیکھا کہ جیب سے ان کا ہاتھ باہر آیا تو اس میں ایک چابی تھی ۔ کرنل صاحب نے دروازہ کے بیرونی قفل میں چابی ڈال کر گھمائی ایک بہت ہلکی کلک کی آواز آئی اور کرنل زاہد حمید کو اپنے پیچھے خاموشی سے آنے کا اشارہ

کرتے ہوئے اندر کمرہ میں داخل ہو گئے۔

کمرہ میں پہونچکر حمید نے دیکھا کہ ہلکے سبز رنگ کے بلب کی مدھم روشنی میں شاہد اپنے بستر پر چاروں ہاتھ پیر پھیلائے بڑے غیر فطری انداز میں سو رہا ہے۔ اس کے دونوں ہاتھ خون سے بھرے ہوئے تھے۔ سیدھا ہاتھ پلنگ کی پٹی سے کچھ باہر نکلا ہوا نیچے لٹک رہا تھا اور ...اور اس ہاتھ کے عین نیچے قالین پر ایک استرا جس کی تیز دھار اس ہلکی روشنی میں بھی چمک رہی تھی .... کھلا پڑا تھا۔

(۱۴)

"تم نے دیکھا وہ خوفناک بد دعا کس طرح آہستہ آہستہ میرے بچے کو اپنے خونی سایہ میں کھینچ رہی ہے۔" کرنل زاہد نے کہا اس وقت وہ اپنے کمرہ میں آتشدان کے سامنے ایک آرام کرسی پر بیٹھے تھے اور حمید جیسے کسی خواب کے عالم میں ان کے قریب دوسری کرسی پر بیٹھا ان کی گفتگو سن رہا تھا۔

"یہ حالت اس کی آج سے نہیں اب سے دو برس پہلے سے شروع ہو چکی تھی" کرنل کہہ رہے تھے "مجھے سب سے پہلے اس وقت شبہ ہوا جب ایک دن صبح کو میں نے گھر کے طوطے کو اس کے پنجرہ میں مرا پایا۔ اس کا گلا بھی استرے سے کاٹ کر سر دھڑ سے علیحدہ کر دیا گیا تھا اس حادثہ سے قبل میرا خیال تھا کہ شاید ہمارے خاندان پر اس بد دعا کا اثر بالکل ناسنے میں میری پھوپھی کی دردناک موت کے بعد ختم ہو چکا ہے میں بہت خوش تھا۔ شاہد میرا ایک ہی بیٹا ہے اور میں نے اس کی صحت

و سلامتی کے لئے برسوں دعائیں مانگی تھیں۔ بچپن سے جوانی تک اس کی ایک ایک حرکت کو نگاہ میں رکھا تھا۔ جس دن بی اے کی ڈگری لے کر میرے سامنے آیا تو میں نے اُسے سینہ سے لگا کر خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے میری دعائیں سن لیں اور میرے بچے کو اس منحوس بدعا سے بچائے رکھا۔ میں نے اسے فوج میں بھرتی کروا دیا۔ اس وقت تک مجھے ذرا سا بھی شبہ نہیں تھا کہ آخر کار شاہد کی جوانی بھی اسی صدیوں پرانی بدبختی کا شکار ہونے والی ہے۔ طوطے کی موت نے مجھے چونکا دیا اور اس کے کچھ ہی دن بعد جب ایک صبح گھر کا وفادار کتا اسی حالت میں مردہ پایا گیا تو میرے بدترین اندیشوں کی تصدیق ہو گئی۔ میں نے اسے فوج سے واپس بلا لیا اور کیپٹن اب میں ہر رات اس کے کمرہ کے دروازہ کو اپنے ہاتھ سے مقفل کر کے سوتا ہوں مگر اس کے باوجود آج رات وہ کسی ناقابل فہم طریقہ پر اپنے کمرہ سے باہر نکل آیا اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ " کرنل زاہد کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔

حمید سوچ رہا تھا کہ ان حالات میں وہ یا فریدی صاحب بھلا کیا کر سکتے ہیں شاہد نے منگنی توڑ کر یقیناً صحیح فیصلہ کیا تھا۔

" مجھے معلوم نہیں کہ اسے اپنی اس حالت کا احساس کب ہوا" کرنل زاہد کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پھر بولے۔ " میں نے تو اپنی ہر امکانی کوشش کی تھی کہ اسے اپنی بدنصیبی کا علم نہ ہو۔ چھپکے چھپکے اس کا علاج بھی کیا مگر بہرحال کسی طرح بھی سہی اسے معلوم ہو ہی گیا کہ اپنی

عادی کے بعد اب وہ اس بد دعا کے اثر میں آچکا ہے۔ میں نے اس سے نہیں کہا تھا کہ وہ مہ جبیں کے ساتھ منگنی توڑنے کا فیصلہ کرے۔ مگر بخدا کیپٹن میں اس فیصلہ سے بہت خوش ہوں۔ میں اور شاہد اپنے خاندان کی آخری نشانی رہ گئے ہیں۔ سوچتا ہوں میں نے اچھا ہی کیا کہ دوسری شادی نہیں کی۔ یہ خاندان اب ہم دونوں کی موت کے بعد ختم ہو جائے گا۔ اور اسی کے ساتھ وہ منحوس بد دعا بھی۔ تم ہی بتاؤ کیپٹن حمید کیا یہ فیصلہ دانشمندانہ نہیں تھا۔ پھر میں یا تم اسے کیوں مجبور کریں کہ وہ اپنا فیصلہ بدل ڈالے اور اس طرح جو بدبختی اس نسل کے ساتھ ختم ہو سکتی ہے اسے آئندہ آنے والی بے شمار نسلوں کی زندگی جہنم بنانے کے لئے چھوڑ جاتے۔"

"ممکن ہے آپ کا خیال صحیح ہو" حمید نے بالآخر جواب دیا "لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہونا چاہیئے کہ آدمی ایک فرسودہ روایت کو اپنی تقدیر سمجھ کر اس کے خلاف جدوجہد کیئے بغیر ہار مان لے۔"

"تقدیر سے کوئی کیسے لڑ سکتا ہے کیپٹن"

"تقدیر سے لڑنا بھی تقدیر ہی ہو سکتی ہے کرنل صاحب" حمید نے جواب دیا "ان تمام باتوں کے باوجود میں اب بھی یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آخر شاہد کا علاج کیوں نہیں کرایا جا سکتا۔"

"کیپٹن میں کہہ چکا ہوں کہ اپنے خاندانی معاملات میں میں کسی کے مشورے قبول کرنے کا عادی نہیں ہوں" کرنل زاہد نے تلخ لہجہ

اُب بھی خون آلود تھے اور فرش پر گرا ہوا اُسترا . . . حمید نے چونک کر کمرہ میں ہر طرف دیکھا مگر اب وہاں اُسترے کا کوئی پتہ نہیں تھا۔

اس کے بعد ہر چند سونے کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ مگر حمید کو کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی نیند آ گئی دوبارہ آنکھ کھلی تو آٹھ بج رہے تھے۔

ناشتہ کی میز پر شاہد کل رات سے کہیں زیادہ پریشان اور زرد چہرہ نظر آ رہا تھا اتنا پریشان کہ اس کے ہاتھ پیر بھی اس کے قابو میں نہیں معلوم ہو رہے تھے۔ چہرہ پر کئی جگہ پلاسٹر کا چپکا ہونا اس بات کا ثبوت تھا کہ اس نے آج شیو بناتے ہوتے ایک دو نہیں کئی زخم لگائے ہیں۔ کئی مرتبہ حمید نے اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی پیالی سے چائے چھلکتی ہوئی دیکھی۔ کرنل صاحب رات کی طرح اس وقت بھی میز پر موجود نہیں تھے۔ حمید نے ناشتہ سے فارغ ہو کر شاہد سے بات کرنے کی کوشش کی۔

"آپ کا چہرہ پیلا پڑا ہوا اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے موجود ہیں" اس نے کہا "خیریت تو ہے شاہد صاحب خدا نخواستہ طبیعت تو خراب نہیں"

شاہد نے ایک افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ حمید کی طرف دیکھا "معلوم ہوتا ہے کل رات پھر مجھ پر کوئی دورہ پڑا تھا۔" وہ بولا۔

"دورہ" حمید نے حیرت ظاہر کی۔

"جی ہاں، اور یہ کمرے بڑے عجیب قسم کے ہوتے ہیں حمید صاحب رات بھر مجھے وحشت ناک خواب نظر آتے رہتے ہیں درمیان میں اگر کبھی آنکھ کھل جاتی ہے تو کمرہ بے شمار پرچھائیوں اور خوفناک شکلوں سے بھرا ہوا محسوس ہوتا ہے اور ان میں سے ہر شکل اپنے نوکیلے پنجے آگے نکالے میری طرف بڑھتی ہوئی محسوس ہوتی ہے صبح اٹھتا ہوں تو پاتا ہوں کہ میرے ہاتھ خون آلود ہوتے ہیں یا غسل خانے کے واش بیسن میں سرخ پانی بھرا ہوا ہوتا ہے۔ اور تولیہ پر سرخ دھبے موجود ہوتے ہیں میرا گلا اس قدر خشک ہوتا ہے کہ منہ سے آواز نکالنے کی کوشش کرتا ہوں تو آواز نہیں نکلتی، پیاس بے انتہا ہوتی ہے مگر ... مگر میں پانی نہیں پی سکتا گھونٹ میرے حلق میں جاکر اٹک جاتا ہے۔ اور اس وقت کوئی آواز مجھے اپنے کانوں میں سرگوشیاں کرتی سنائی دیتی ہے یہ خون کی پیاس ہے اور خون سے ہی بجھے گی تمہیں کسی کا خون پینا چاہیئے۔ گھبرا کر میں اپنے کان بند کر لیتا ہوں مگر اس سے یہ آواز بند نہیں ہو جاتی، وہ میرے دل سے دماغ سے روح کے ایک ایک گوشہ سے آتی ہی رہتی ہے۔ یہ آپ میرے چہرہ پر پلاسٹر کے ٹکڑے دیکھ رہے ہیں۔"

"شاہد شیو کرتے میں بلیڈ لگ گیا ہے" حمید نے شاہد کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں" شاہد نے ایک گہری سانس لی "آئینہ کے سامنے شیو

کرنے کھڑا ہوتا ہوں تو ہاتھ قابو میں نہیں معلوم ہوتے۔ ہر ممکن احتیاط سے کام لینے کے باوجود کئی جگہ زخم لگ جاتے ہیں شیونگ لوشن لگاتا ہوں تو سکون کے بجائے درد بڑھ جاتا ہے۔ ہر چند یہ دورہ اب تک شاید تین چار مرتبہ پڑا ہے مگر میرے اعصاب اب اتنے کشیدہ رہنے لگے ہیں ذرا ذرا سی آہٹ پر چونک پڑتا ہوں کرنل صاحب کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ گھر کے طوطے اور دوسری مرتبہ کتے کو میں نے ان دوروں کی حالت میں قتل کر دیا تھا۔ مگر سجنا حمید صاحب مجھے صبح اٹھنے پر کچھ یاد نہیں آتا کہ میں گزشتہ رات کیا کرتا رہا تھا پھر مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ کرنل صاحب رات کو میرا کمرہ مقفل کر دیتے ہیں اس کے باوجود بند کمرہ سے میرے باہر نکل جانے کی صرف ایک ہی صورت ممکن ہو سکتی ہے۔ میں نے ضرور اپنے دوروں کی حالت میں کہیں سے اس قفل کی کوئی دوسری چابی حاصل کر لی ہے۔ اور کسی ایسی جگہ چھپا کر رکھ دیتا ہوں کہ جہاں سے دورہ کے بعد ہر ممکن تلاشی لینے کے باوجود اس کا پتہ نہیں چلتا"

حمید کو تعجب ہوا۔ جہاں تک اسے یاد تھا کرنل زاہد نے بتایا تھا کہ انہوں نے کبھی آج تک شاہد سے اس مسئلہ پر گفتگو نہیں کی مگر شاہد کہہ رہا ہے کہ اسے طوطے اور کتے کے بارے میں کرنل سے معلوم ہوا ہے اور پھر کتنی عجیب بات ہے کہ اس گھر میں میجر مختار کے علاوہ سب ہی لوگ کرنل زاہد کو کرنل کہتے ہیں۔

"ایک بات پوچھوں " حمید نے کہا "آپ کرنل صاحب کو اپنے اور ان کے رشتہ کی مناسبت سے کچھ کیوں نہیں پکارتے ؟"

"آپ کو یہ بات عجیب لگی نا" شاہد تلخ لہجہ میں بولا "مگر اس گھر میں کسی کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ انہیں رشتہ یا تعلقات کے ناموں سے پکارے۔ یہاں تک کہ میں بھی انہیں ابا جان نہیں کہہ سکتا۔ اور میں ان کا بیٹا ہوں۔

۱۴

باورچی خانے کے سامنے سے بلی کی لاش اٹھائی جا چکی تھی۔ اور خون کے دھبے بھی صاف کیے جا چکے تھے حمید نے ایک مرتبہ پھر بوڑھے سیاح کا کمرہ دیکھا۔ یہ بات تو یقین سے کہنا مشکل تھی کہ وہ رات کو کسی وقت واپس ہی نہیں آیا تھا مگر آیا بھی تھا تو حمید کو اس کا پتہ نہیں چل سکا تھا کیونکہ اس وقت بھی کمرہ کے دروازہ پر تالہ پڑا ہوا تھا۔

رحمت سے معلوم ہوا کہ فون لائبریری میں لگا ہوا ہے۔ حمید نے پہلے میجر مختار کو فون کیا اور مختصر الفاظ میں انہیں کل رات اور صبح کے واقعات بتائے۔

" کیا یہ بات آپ کے علم میں تھی " حمید نے پوچھا " کہ شاہد پر اس قسم کے دورے پہلے بھی پڑتے رہے ہیں۔ اور وہ طوطے اور کتے کا خون بہا چکا ہے۔ "

" ہاں میں جانتا تھا " میجر مختار نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے

جواب دیا ۔۔ دوسرے دورہ کے وقت میں خود ریسٹ ہاؤس میں موجود تھا۔ اور تقریباً انہی حالات سے گزرا تھا جن کا کل رات نہیں تجربہ ہوا تھا مگر میں نے کسی شخص کو شاہد کے کمرہ میں جاتے یا نکلتے نہیں دیکھا تھا"

" ممکن ہے وہ اتفاقاً آپ کی نظر نہ پڑا ہو" حمید نے کہا "بہرحال یہ آپ بھی تسلیم کریں گے کہ ان واقعات کا تعلق محض ایک روایتی بدعا سے نہیں ہے کوئی پُراسرار ہستی اور بھی ان میں شامل ہے ۔ "

" پھر اب تمہارا کیا ارادہ ہے کیپٹن "

" میں آج فریدی صاحب کو ٹرنک کال کر کے ان سے جلد از جلد یہاں آنے کے لئے کہوں گا ۔ پھر آئندہ کے لئے جو وہ مناسب سمجھیں گے کریں گے ۔"

" ٹھیک ہے میں خود بھی یہ ہی مشورہ دینے والا تھا " میجر مختار نے جواب دیا۔

اس کے بعد حمید نے مہ جبیں کو فون کرنے کی کوشش کی مگر دوسری طرف سے کسی نے بتایا کہ وہ کچھ دیر پہلے ریسٹ ہاؤس جانے کے لئے کہہ کر گھر سے روانہ ہوئی تھی حمید نے شکریہ ادا کر کے ریسیور رکھ دیا دوبارہ اٹھایا اور آپریٹر کو دارالحکومت کے لئے ایک ٹرنک کال بک کرائی ۔ تقریباً فوراً ہی لائن مل گئی مگر کال کرنا بیکار ہی ثابت ہوا کیونکہ فریدی کے کسی ملازم نے فون ریسیو کیا تھا ۔ حمید کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ جس دن حمید گرکام کے لئے روانہ ہوا تھا اسی دن سے فریدی بھی کہیں باہر گیا ہوا ہے ۔

نے بھی شاہد کو دورے کی حالت میں دیکھا تھا۔''

جواب میں حمید نے مہ جبیں کو بھی رات کے واقعات کہہ سنائے۔

''آخر وہ پُر اسرار سایہ کون ہو سکتا ہے۔'' مہ جبیں نے سوچتے ہوئے کہا۔

مگر حمید اسے کیا بتا سکتا تھا جب کہ خود اس کی سمجھ میں اس الجھے ہوئے کیس کا ہر واقعہ اپنی جگہ کسی جداگانہ کی طرف اشارہ کرتا محسوس ہو رہا تھا۔ مہ جبیں کی زندگی پر دو مرتبہ حملہ کیا گیا۔ آخر کیوں، کیا اس کا تعلق وصیت نامہ سے تھا یا شاہد کی موجودہ ذہنی کیفیت سے۔ وہ بوڑھا سیاح اسی دن گرگام میں ظاہر کیوں ہوا جس دن حمید یہاں آیا تھا یہ طے بات ہے کہ حمید کی جیب سے رپورٹ اسی نے نکالی تھی۔ حمید کو پختہ یقین تھا مگر سوال یہ تھا کہ اسے ثابت کس طرح کیا جا سکتا ہے اور پھر یہ کہ ایک بظاہر اجنبی اس کی جیب سے کیوں وہ رپورٹ نکالے گا کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ کوئی عادی گرہ کٹ ہو۔ اور پرس اڑانے کی کوشش میں اس کے ہاتھ رپورٹ آگئی ہو۔ پھر یہ کہ آخر وہ راتوں کو باہر رہ کر کیا کرتا ہے۔ شاہد کے کمرہ سے کسی پُراسرار وجود کا باہر نکل کر بھاگنا ایک علیحدہ الجھن تھی کیا وہ بوڑھا سیاح تو نہیں تھا۔؟

حمید کا ارادہ آج رات مسلسل جاگ کر شاہد کے کمرہ کی نگرانی کرنے کا تھا مگر اچانک اسے یاد آیا کہ وہ قاسم کو موتی جھیل کے ریسٹ ہاؤس میں رات کے بارہ بجے آنے کے لئے کہہ چکا ہے اسے یقین تھا کہ وہ احمق

وہاں ضرور پہونچے گا اور یہ ہی نہیں بلکہ ایک ہاتھ پر اُلٹے کھڑے ہو کر میں اُلّو ہوں کے وظیفہ کا ورد ہونا بھی لازمی تھا۔ بوڑھا سیاح دن میں آکر شام کے آٹھ نو بجے تک اپنے کمرہ میں ہی رہا تھا مگر حمید نے سردست اس سے براہِ راست پوچھ گچھ کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر ان معاملات میں اس کا بھی کوئی ہاتھ ہے تو وہ آج کی رات کیا کرتا ہے۔

شام کے چھ بجے میجر مختار بھی آ گئے اور حمید کی درخواست پر انہوں نے آج کی رات خود بھی ریسٹ ہاؤس میں گزارنے کا ارادہ کر لیا۔ رات کا کھانا بڑے افسردہ ماحول میں کھایا گیا کرنل زاہد اگرچہ میز پر موجود تھے مگر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ قصداً حمید کو نظر انداز کر رہے ہوں۔ حمید نے بھی خود سے کوئی تذکرہ چھیڑنے کی کوشش نہیں کی کھانے سے نپٹ کر حمید نے میجر مختار سے کچھ گفتگو کی اور یہ طے پایا کہ دونوں باری باری جاگ کر شاہد کے کمرہ کی نگرانی کریں گے۔ شب کے پہلے حصّہ میں حمید نے ڈیوٹی اپنے ذمہ لے لی۔

ساڑھے گیارہ بجے تک حمید ریسٹ ہاؤس کے تین راؤنڈ لگا چکا تھا۔ برآمدہ کے آخری گوشہ پر اپنے کمرہ کے سامنے اس نے ایک کرسی نکال کر ڈال لی تھی اور اب اس پر بیٹھا پائپ پی رہا تھا کہ اچانک اس کے حساس کانوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سنی۔ حمید نے چونک کر دیکھا کہ شاہد کے کمرہ کا دروازہ آہستہ آہستہ کھلا اور سیاہ لباس پہنے کوئی شخص

باہر نکلا۔ حمید اس کا منہ نہیں دیکھ سکا کیونکہ ان کی پشت حمید کی جانب تھی۔ حمید پائپ بجھا کر ایک دم کھڑا ہو گیا۔ سیاہ پوش ادھر ادھر دیکھے بغیر داہنی طرف برآمدہ میں گھوم گیا۔ دبے پاؤں حمید آگے بڑھا شاہد کے کمرہ کے قریب پہونچکر کھلے دروازہ سے اندر جھانک کر دیکھا شاہد کا پلنگ خالی تھا۔ حمید بھی اس کے تعاقب میں چل دیا۔ سیاہ پوش برآمدہ کی سیڑھیاں اتر کر گیراج کی طرف جا رہا تھا۔ حمید دن میں معلوم کر چکا تھا کہ کرنل زاہد کے پاس ایک شیورلٹ کار ہے جو عام طور پر گیراج میں بند رہا کرتی ہے۔ کیونکہ کرنل اپنے علاوہ کسی اور کو اُسے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

سیاہ پوش کی حرکات و سکنات قطعاً یہ ظاہر نہیں کرتی تھیں کہ وہ کسی عجلت میں ہے یا اُسے حمید کے تعاقب کا کوئی احساس ہے۔ اس نے اطمینان سے گیراج کا دروازہ کھولا، شیورلٹ کار باہر نکالی اور روانہ ہو گیا۔ میجر مختار کی پرانی فورڈ بھی گیراج میں کھڑی تھی۔ اگرچہ اس کھکڑے میں شیورلٹ کا تعاقب کرنا بہت مشکل تھا مگر حمید کے پاس کوئی دوسرا چارہ کار بھی نہیں تھا۔ میجر مختار چابی سوئچ میں ہی لگی چھوڑ گئے تھے۔ فورڈ کا بوڑھا انجن تین چار مرتبہ کی کوشش کے بعد اسٹارٹ ہو سکا۔ حمید نے حتی الامکان تیزی سے کار باہر نکالی دور فاصلہ پر کسی کار کی نمبر پلیٹ کی روشنی متحرک نظر آئی اور حمید نے کار اس کے تعاقب میں چھوڑ دی۔

اگلی کار کا رُخ موتی جھیل کی طرف تھا جلد ہی حمید نے محسوس کرلیا کہ اس پرانی کار سے اس کا تعاقب کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ سڑک اگر سیدھی نہ ہوتی تو شاید اب تک وہ کسی موڑ پر شیورلیٹ کو نگاہوں سے اوجھل کر چکا ہوتا۔ حمید نے ایکسیلیٹر کو آخری حد تک دبا دیا۔ فورڈ نے ایک جھرجھری سی لی رفتار کچھ تیز ہو گئی مگر اگلی کار کا فاصلہ دم بدم زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔ اسپیڈومیٹر کام نہیں کر رہا تھا اور حمید کے پاس یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا کہ اس وقت کار کس رفتار سے چل رہی ہے۔

شیورلیٹ اچانک ایک موڑ پر گھوم کر نظروں سے غائب ہو گئی۔ شکر یہ تھا کہ گھومنے والی سڑک سیدھی موتی جھیل کی طرف جاتی تھی یقینی طور پر سیاہ پوش کا ارادہ موتی جھیل کے گرد و نواح میں جانے کا تھا۔ حمید کو اطمینان تھا کہ اگر وہ موتی جھیل کی طرف گیا ہے تو دوبارہ نظر آئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مگر یہ اس کی خام خیالی تھی۔ موڑ پر پہنچنے کے بعد اس نے دیکھا کہ شیورلیٹ سنسان سڑک پر کہیں دور دور تک نظر نہیں آ رہی تھی موتی جھیل سامنے ہی تھی اور اس کے کنارے بنا ہوا ریسٹ ہاؤس بھی۔ بوٹ ہاؤس کے قریب سے گزرتے ہوئے حمید نے گھڑی دیکھی لیڈنے بارہ بجے تھے بوٹ ہاؤس سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی سناٹا تھا۔ تاہم ابھی دن نہیں آیا تھا سڑک آگے جا کر ایک دوراہے پر اچانک ختم ہو گئی اور حمید کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ کونسی راہ اختیار کرے۔ ایک بات بہر حال یقینی تھی

شیورلٹ کار دونوں میں سے جس راستہ پر بھی گئی ہوگی چند فرلانگ کے بعد اس کا آگے بڑھنا ناممکن ہو جائے گا۔ دونوں راہیں آگے چل کر پہاڑی پگڈنڈیوں کی شکل اختیار کر لیتی تھی یہ گرگام کا وہ پرانا حصہ تھا جہاں جھونپڑیوں میں مقامی آبادی کے لوگ مقیم تھے۔ کچھ سوچ کر حمید نے بائیں سڑک پر فورڈ کو موڑ دیا اب یہ اتفاق ہی تھا کہ کچھ ہی فاصلہ پر شیورلٹ کار ایک طرف کھڑی نظر آ گئی۔ عجیب بات یہ تھی کہ اس کا رُخ اس سمت تھا جس طرف سے حمید آ رہا تھا۔ سیاہ پوش نے کار کھڑی کرنے سے پہلے واپسی کا انتظام کر لیا تھا۔ حمید فورڈ کو آگے نکال کر لے گیا۔ کچھ دور جا کر ٹرن کیا اور بریک لگا دیئے۔

شیورلٹ جس جگہ کھڑی تھی اس کے بالکل قریب سے ایک چھوٹی سی تنگ پگڈنڈی پہاڑیوں کے درمیان خم کھاتی ہوئی چلی جا رہی تھی حمید پگڈنڈی پر ہو لیا مگر ابھی اس نے پچاس قدم کا فاصلہ ہی طے کیا ہوگا کہ ایک بھیانک چیخ رات کے سناٹے کو توڑتی ہوئی فضاؤں میں بکھر گئی۔ حمید کے رونگٹے کھڑے ہو گئے یہ کسی انسان کے حلق سے نکلی ہوئی آواز نہیں معلوم ہوتی تھی اس نے بے تحاشہ چیخ کی سمت بھاگنا شروع کر دیا۔ سامنے ایک جھونپڑی نظر آ رہی تھی۔ حمید جھونپڑی سے دور ہی تھا کہ پہلے کی طرح ایک اور چیخ بلند ہوتی اور ساتھ ہی کوئی سیاہ وجود قلانچیں بھرتا ہوا طوفان کے جھونکے کی طرح سن سے اس کے پاس سے گزر گیا اگر یہ ستا ہد تھا تو

اس شاہد سے جیسے اب تک حمید دیکھتا آ رہا تھا اتنا مختلف تھا کہ حمید کو اپنی آنکھوں پر یقین کرنا مشکل محسوس ہو رہا تھا۔ وہ بھیانک آواز میں قہقہہ لگاتا چھلانگیں بھرتا یوں اڑا چلا جا رہا تھا۔ جیسے جہنم کی ساری بدروحیں اس کے ایک وجود میں سما گئی ہوں یہ چیخیں یہ ہذیانی قہقہے کسی ذی ہوش انسان کے نہیں ہو سکتے تھے۔

حمید سیاہ پوش کی طرف گھوما مگر وہ اتنے ہی میں نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اس کا تعاقب کرنا بے سود سمجھ کر حمید نے جھونپڑی کا رُخ کیا۔ قریب پہونچ کر اس نے دیکھا کہ جھونپڑی کے دروازہ پر ایک مَرد اور ایک عورت خوف سے کسی خزاں رسیدہ پتہ کی طرح کانپتے ہوئے ایک دوسرے پر لگے کھڑے ہیں۔ مرد کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی مشعل تھی جس کے لہراتے شعلے کی روشنی میں اس کا چہرہ کسی لاش کے چہرہ سے زیادہ سفید ہو رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر مرد نے کانپتے ہاتھوں سے جھونپڑی کے پہلو میں بنے ہوئے باڑے کی طرف اشارہ کیا۔ حمید کی نگاہیں اشارہ کی سمت گئیں اور جم کر رہ گئیں۔ باڑے کے ٹوٹے ہوئے دروازہ کے سامنے دو بھیڑیں پڑی تھیں جن کے سر باقی جسم سے الگ کر دیئے گئے تھے۔

---

(۱۵)

- بھاری دل اور بھاری قدموں سے حمید واپس لوٹا - اپنی کار کے پاس آیا - شیورلٹ غائب تھی - اسے اب اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ شاہد خواہ کسی خاندانی بدعا کے نتیجہ میں یا کسی دوسری وجہ سے ایک خوفناک ذہنی بیماری میں مبتلا ہو چکا ہے اور اتنی تیزی کے ساتھ ہوشمندی سے دیوانگی کی طرف بڑھ رہا ہے کہ اگر فوراً ہی اس کا موثر علاج نہیں کیا گیا تو اس کے مستقل طور پر پاگل ہونے میں کوئی شبہ نہیں تھا -

دوراہے پر موتی جھیل کی طرف مڑتے ہوتے فورڈ کار کی اگلی بتیوں کی روشنی اچانک ایک شخص پر پڑی اور اس روشنی میں کشتی کوش کو پہچانتے ہی حمید نے بلا ارادہ پوری طاقت سے بریک دبا بریک لگنے کی آواز سنتے ہی اس شخص نے پلٹ کر دیکھا -

رہا سہا شبہ بھی جاتا رہا - وہ یقیناً پُر اسرار بوڑھا ہی تھا

کو رُکتے دیکھ کر بوڑھے سیاح نے ایک ایسی حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ جو اس کی عمر کے انسان کے لئے تقریباً ناممکن تھی سڑک کے کنارے اُگی ہوئی جھاڑیوں میں چھلانگ لگا دی۔ حمید نے ایک جھٹکے سے کار کا دروازہ کھولا اور جھاڑیوں کی طرف بھاگا۔ لیکن خدا معلوم اس بوڑھے کو زمین نگل گئی تھی یا کیا کہ پندرہ بیس منٹ تک ادھر ادھر جھاڑیوں میں کپڑے خراب کرنے کے باوجود حمید دوبارہ اس کی ایک جھلک بھی نہیں دیکھ سکا۔

بادلِ نخواستہ حمید دوبارہ کار میں آ بیٹھا اب اس کا رُخ موتی جھیل کے پوسٹ ہاؤس کی جانب تھا۔ فورڈ کو سڑک کے ایک طرف کھڑا کر کے حمید برآمدہ کی طرف بڑھا جہاں ایک دیوار کے سہارے قاسم اُلٹا کھڑا ہونے کے بجائے مرغا بنا ہوا عجیب وغریب الفاظ میں اپنا وظیفہ پڑھ رہا تھا حالات کی سنجیدگی اور غمناکی کے باوجود حمید کو ہنسی آگئی۔

وہ میں اُلو ہوں۔ میں اُلو ہوں۔ حرامجادے چچا جان تم اُلو ہو، میں اُلو ہوں، ابا نے ابا جان سالے تم بھی اُلو ہو، میں اُلو ہوں میں اُلو ہوں، اور کیا کہتے ہیں وہ نزاکت بیگم غلط، خانم اُلو کی بچی ہے، اُلو کی بچی ہے۔ سالے چچا جان اُلو کے پٹھے ہیں، میں اُلو ہوں، میں پٹھا ہوں۔"

حمید نے جیب سے رومال نکال کر مُنہ پر باندھ لیا۔ ہونہہ

کیا ہو رہا ہے۔" وہ دبنگ آواز میں بولا۔ قاسم ایک دم

چونک کر سیدھا ہو گیا۔

"میں پوچھتا ہوں یہ کیا ہو رہا تھا" حمید نے پھر ڈانٹ بتائی۔ "تم سے کہا گیا تھا کہ ایک ہاتھ کے سہارے اُلٹے کھڑے ہو گے یہ تم اُلٹے کھڑے ہوئے تھے"۔

"میں نے سوچا مُرغا بنوں گا تو سالے چچا جان اور کشش ہوں گے"

"تم نے میرے کہنے کی خلاف ورزی کی ہے میں کل ہی خان بہادر صاحب کو سارا کچا چٹھا لکھ بھیجوں گا" حمید نے دھمکی دی۔

"اے تم تو ذرا سی بات پر خفا ہو جاتے ہو" قاسم کچھ چڑ گیا "چلو کل اُلٹا ہی کھڑا ہو جاؤں گا"

"روپیہ لاتے ہو" حمید نے پوچھا۔

"ہاں لایا ہوں" قاسم نے جواب دیا اور جیب سے لفافہ نکال کر دکھایا۔

"لفافہ فرش پر ڈال دو" حمید نے حکم دیا "ایک ہاتھ سے ناک اور دوسرے ہاتھ سے کان پکڑ کر سڑک پر جاؤ اور دلکشا ہوٹل تک اسی حالت میں بھاگتے ہوئے پہونچو۔ راستہ میں ناک کان چھوڑ دیئے یا ہوٹل تک بھاگتے ہوئے نہیں گئے تو کل ہی تمہاری رپورٹ خان بہادر تک پہونچا دی جائے گی"

قاسم نے بڑی سعادت مندی سے لفافہ زمین پر ڈال دیا۔ ایک ہاتھ سے ناک پکڑی اور دوسرے سے کان۔ جانے کے لئے مڑا اور پہلا

قدم ہی اٹھایا کہ حمید پھر کڑک کر بولا " ٹھہرو " قاسم کو جیسے ایک دم بریک لگ گیا " تم کل سے اپنے کمرہ میں لڑکیوں کو جمع نہیں کرو گے ۔ سمجھے "۔

" سمجھ گیا " قاسم نے سر ہلایا ۔

" تمہارے ساتھ وہ لڑکی کون ہے "۔

" مجھے کیا معلوم کون ہے سالی کھود ہی گھر سے پیچھے لگی چلی آئی " قاسم نے جلدی سے کہا ۔

" کمرہ کتنے دن کے لیے بک کرایا ہے " حمید نے پوچھا

" پورے سیزن کے لیے "

" کیپٹن حمید بھی تو ہوٹل میں ٹھہرا تھا ۔"

" ہو گا سالا مجھے کیا معلوم " قاسم کو غصہ آ گیا ۔

" کیا " حمید نے آنکھیں نکالیں ۔

" ارے تو کیا تم غمید بھائی کے بھی چچا ہو " قاسم چونکا ۔

" نہیں میں اس کا بھتیجا ہوں وہ میرا بھی چچا ہے " حمید نے کہا " ایک بات یاد رکھو آئندہ تم کیپٹن حمید کو گالی نہیں دو گے "

" نہیں دوں گا "

" اور اس سے جا کر ٹرین سے اتر بھاگنے کی معافی مانگو گے ۔"

" یہ تمہیں کیسے معلوم ہوا " قاسم حیران تھا ۔

" میری بات کا جواب دو " حمید چلایا " کیپٹن سے معافی مانگو گے ؟"

" مانگ لوں گا " قاسم نے منہ بسور کر جواب دیا ۔

"اچھا تو اب جاؤ۔ ناک اور کان سے ہاتھ نہ ہٹیں۔"

قاسم نے برآمدہ سے اترتے ہی سڑک پر دوڑنا شروع کر دیا حمید نے لفافہ اٹھا کر احتیاط سے جیب میں رکھا اور فورڈ کی طرف واپس چلا سیدھی سڑک پر قاسم اب تک بھاگتا چلا جارہا تھا۔

حمید ریسٹ ہاؤس پہونچتے ہی پہلے شاہد کے کمرہ میں گیا گذشتہ رات کی طرح اس وقت بھی شاہد اسی عجیب انداز سے بستر پر پڑا سو رہا تھا۔ البتہ اس کے ہاتھ صاف تھے اور فرش پر اُسترا بھی موجود نہیں تھا حمید نے غسل خانے میں جاکر دیکھا واشن بیسن سرخ پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اور نم آلود تولیہ پر خون کی ہلکی سُرخی موجود تھی۔ کمرہ میں جاتے ہوتے حمید نے غور نہیں کیا تھا مگر باہر نکلتے ہوئے اچانک اس کے ذہن کو یہ بات چبھی کہ دورہ کی حالت کے بعد اس وقت شاہد کے کمرہ کا دروازہ کیسے کھلا ہوا تھا اگر اس کے پاس کوئی چابی تھی تو ہمیشہ کی طرح آج بھی اسے واپس آکر دروازہ بند کر لینا چاہیئے تھا۔

اس نے کرنل زاہد کو اٹھا کر یہ واقعہ بیان کرنے کا ارادہ کیا مگر پھر کچھ سوچ کر رُک گیا۔ میجر مختار کے کمرہ پر پہونچ کر اس نے دروازہ سے کان لگا کر سُنا مگر اندر بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ بوڑھے سیاح کا کمرہ کل رات کی طرح اس وقت بھی باہر سے مقفل تھا اس کی شخصیت حد سے زیادہ مشکوک ہوتی جارہی تھی آخر وہ اس وقت رات میں موتی جھیل کی طرف کیوں گیا تھا۔ حمید نے ارادہ کر لیا کہ بوڑھا سیاح جس وقت بھی

" اچھا ختم کرو ، مجھے کچھ ضروری باتیں کہنا ہیں "

" آپ کو میری رپورٹ مل گئی ۔ "

" ہاں مل گئی " فریدی نے جواب دیا اور اس وقت اچانک حمید کو اپنی حماقت کا احساس ہوا وہ کہ الفاظ بلا سوچے سمجھے ہی کہہ گیا تھا حالانکہ دوسری رپورٹ جو اس نے فریدی کو بھیجنے کے لئے لکھی تھی ابھی اس کے کمرہ میں ہی پڑی ہوئی تھی ۔ مگر اپنی حماقت سے زیادہ اسے فریدی کے جواب پر حیرت تھی ۔

" تم اب تک محض اپنا وقت ضائع کرتے رہے ہو " فریدی کہہ رہا تھا " اس طرح کے واقعات کے حل کو ان کی سطح پر نہیں گہرائی میں تلاش کرنا چاہیئے ۔ کرنل زاہد کے موجودہ ملازم رحمت سے پہلے ایک عورت جس کا نام کریماً تھا ان کے ہاں ملازم تھی وہ آج بھی موتی جھیل کے قریب پرانی آبادی میں ایک جھونپڑی میں رہتی ہے ۔ کرنل زاہد نے اسے اپنی بیوی کی موت کے فوراً بعد نوکری سے علیحدہ کر دیا تھا ۔ معلوم کرو اس کی وجہ کیا تھی ۔ دوسری بات ۔ کسی بظاہر ذریعہ آمدنی کے بغیر وہ آج تک بڑے آرام کی زندگی گزار رہی ہے ۔ یہ رقم اس کے پاس کہاں سے آ رہی ہے ۔ "

" اس کا ان معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے ۔ " حمید نے پوچھا

" یہ میں ابھی نہیں بتا سکتا ۔ "

" مجھے تو اس بوڑھے سیاح پر شک ہے " حمید نے کہا " وہ

بڑا عجیب اور پُراسرا [illegible] معلوم ہوتا ہے " اور اس کے بعد حمید نے اپنے شکوک کی وجہ سے سلسلہ میں گذشتہ واقعات فریدی کو بتائے۔

" تم اسے چیک کرنا چاہتے ہو تو ضرور کرو " فریدی نے جواب دیا۔ مگر میں نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرنے کے بعد۔ کریمأ کی زبان کھلوانے کی کوشش کرو۔ اس سے معلوم کرو کہ جس رات شاہد کی ماں موتی جھیل میں ڈوبی ہے اس رات حقیقت میں واقعات کیا تھے اور کس طرح پیش آئے تھے۔"

" آپ یہاں کب تک آ رہے ہیں " حمید نے پوچھا

" میں کسی بھی وقت پہونچ سکتا ہوں " فریدی نے جواب دیا

" میں نے کل ٹرنک کال کی تھی مگر آپ گھر پر موجود نہیں تھے۔"

" ہاں میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں باہر گیا ہوا تھا " فریدی نے کہا " اور دیکھو میں نے جو کچھ کہا ہے اس کا ذکر ہرگز کسی کے سامنے نہیں آنا چاہیئے۔"

" بہت اچھا۔ اور کچھ "

" اور کچھ نہیں فرزند مجھے کچھ حقیقت کا ہلکا سا پَر تو نظر آیا ہے اگر میرا اندازہ درست نکلا تو مارے حیرت کے دانتوں میں انگلیاں دبا لوگے۔"

" وہ تو میں اب بھی دبا رہا ہوں بلکہ چبا رہا ہوں " حمید نے بگڑ کر کہا " مگر مارے حیرت کے نہیں مارے غصہ کے۔ اور غصہ آپ پر

ہے کہ مجھے اس چکر میں پھنسا کر خود بدولت غا[redacted] ۔"

"گھبراؤ نہیں بیٹے یہ کیس تمہاری زندگی کے شاندار کارناموں میں ایک اضافہ ہوگا" فریدی نے جواب دیا اور سلسلہ منقطع کر دیا۔

حمید اپنے کمرہ میں واپس آیا تو میجر مختار نے پوچھا "کس کا فون تھا"

"فریدی صاحب کا" حمید نے پھر لباس تبدیل کرنے کی تیاری کرتے ہوئے جواب دیا۔

"کچھ بتایا کہ کب تک آ رہے ہیں۔"

"شاید کل پہونچ جائیں" حمید نے جھوٹ بولا۔

"تم کہیں جا رہے ہو کیا"

"جی ہاں سرکاری گدھا ہوں جس وقت اور جس طرف لگام کھینچ دی جاتی ہے بھاگنا پڑتا ہے" حمید نے جواب دیا۔ میجر مختار ہنسنے لگے۔

"معلوم ہوتا ہے کچھ جھاڑ پڑ گئی ہے" انہوں نے کہا۔

"یہ تو بتائیے میجر صاحب" حمید نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا "جس زمانے میں شاہد کی والدہ کے موتی جھیل میں ڈوب جانے کا حادثہ پیش آیا اس وقت ان کے پاس کوئی کریما نام کی عورت کام کرتی تھی"

"ہاں، مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا" میجر مختار نے حیرت سے پوچھا

"اسے ملازمت سے علیحدہ کیا گیا تھا یا وہ خود ہی نوکری چھوڑ کر چلی گئی تھی" حمید نے دوسرا سوال کیا۔

"پتہ نہیں۔ میں ان دنوں میں گرگام سے باہر تھا" میجر مختار نے سوچتے ہوئے کہا "تعجب ہے کہ آج تم نے بھی مجھ سے وہ ہی سوال پوچھا جو میں اکثر خود سے پوچھتا رہا ہوں۔ مجھے حیرت تھی کہ کریما گھر کی بہت پرانی ملازمہ تھی اور اسے اس وقت الگ کیا گیا یا وہ چھوڑ کر چلی گئی جب اس کی سب سے زیادہ ضرورت تھی۔ ظاہر ہے کہ شاہد کی پرورش کے لئے اس وقت اس سے زیادہ مناسب اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔"

"اگر یہ بات تھی" حمید نے میجر مختار کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا "تو آپ یہ سوال اپنے آپ سے پوچھ کر کیوں رہ گئے جب کہ بڑی آسانی سے خود کریما سے اس کا جواب معلوم کر سکتے تھے۔"

"مگر میں کریما کو کہاں تلاش کرتا۔ زاہد کے بیان کے مطابق وہ گرگام چھوڑ کر چلی گئی تھی" میجر مختار نے کہا۔

"اچھا میجر صاحب" حمید نے ٹائی کی گرہ لگاتے ہوئے کہا "میں تو اب باہر جا رہا ہوں ممکن ہے شام تک واپسی ہو مگر آپ آج یہیں رہیں تو بہتر ہے۔ شاید مہ جبیں ابھی کچھ دیر میں آتی ہوگی۔ میرے خیال سے اسے رات کے واقعہ کی بابت بتانا کچھ مناسب نہیں ہوگا۔"

"اور اگر شاہد نے بتا دیا تو؟"

"شاہد کے اپنے بیان کے مطابق اسے دورہ کی حالت میں گزری ہوئی باتیں بالکل یاد نہیں رہتی ہیں یہ تو بعد میں کسی اور ذریعہ سے

"میرے بارے میں عام طور پر لوگوں کا خیال کچھ اور ہی ہوا کرتا ہے۔" حمید نے مسکراتے ہوتے کہا "تصدیق درکار ہو تو مہہ جبیں سے پوچھ لیجئے گا۔"

حمید ریسٹ ہاؤس سے نکلا تو اس کا خیال تھا کہ محض نام سے کریما کو تلاش کر لینا بڑا دشوار ثابت ہوگا یہ درست تھا کہ پرانی آبادی میں کچھ زیادہ جھونپڑیاں نہیں تھیں مگر وہ ایک دوسرے سے اتنے فاصلہ پر واقع تھیں کہ حمید کو قطعاً امید نہیں تھی کہ ایک جھونپڑی کے مکینوں کو دوسری جھونپڑی میں رہنے والوں کی بابت کچھ زیادہ علم ہوتا ہوگا مگر اس کی توقع کے بالکل برعکس نئی آبادی میں پہونچ کر اُسے معلوم ہوا کہ وہ لوگ نہ صرف ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں بلکہ ان کے دکھ درد کے شریک بھی رہتے ہیں کریماؔ کی جھونپڑی کا پتہ اسے بستی کی پہلی ہی جھونپڑی سے مل گیا اور حمید خود انکار نہ کرتا تو وہ لوگ اپنے ایک بچہ کو ساتھ بھیجنے پر مصر تھے۔ تاکہ وہ اُسے جھونپڑی تک پہونچا دے۔ دوسری عام جھونپڑیوں کی طرح کریماؔ کی جھونپڑی بھی پیچ و پیچ پگڈنڈیوں کے درمیان پہاڑیوں کے ڈھال پر ایک چھوٹے سے ہموار قطعہ زمین پر بنائی گئی تھی۔ حمید نے قریب جاکر دیکھا کہ جھونپڑی کا دروازہ بند ہے اس نے دستک دی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ تیسری دستک پر حمید نے کچھ ہچکچاہٹ کے بعد جھونپڑی کے دروازہ کو ذرا سا دھکا

جو دیا تو وہ بے آواز دُور تک کھلتا چلا گیا۔ حمید نے اندر قدم بڑھایا اور پھر جیسے کسی نے اس سے حرکت کرنے کی طاقت سلب کر لی۔ دروازہ کے عین سامنے اندر کچے فرش پر کریگا اپنے ہی خون میں لت پت پڑی تھی اور اس کا گلا کسی تیز دھار والی چیز سے اس کان سے اس کان تک کاٹ دیا گیا تھا۔

نکلنے بغیر شاہد کو تنہا کہیں جانے کی اجازت دے دیتے۔ فریدی کی باتوں سے حمید نے اندازہ لگایا تھا کہ کریماً کی ذات یقینی طور پر موجودہ کیس میں کوئی ایسی کڑی تھی جس کے سامنے آ جانے پر پورے کیس کے حل کا دارومدار تھا۔ اُسے راستہ سے ہٹا دینے کا مطلب صریحاً یہ تھا کہ فریدی کے لگائے ہوئے اندازے درست ہیں۔ یقیناً شاہد کی موجودہ ذہنی کیفیت کا اس کے ماضی اور خاص طور سے اس کی ماں کی دردناک موت سے گہرا تعلق تھا۔

حمید الکریم جلد از جلد ریسٹ ہاؤس واپس جا کر شاہد اور اس کے بعد دوسرے نمبر پر بوڑھے سیاح کی موجودگی کے بارے میں تحقیق کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس قتل کے وقت کہاں تھے۔ لیکن ایک ذمہ دار پولیس آفیسر کی حیثیت سے اس کا پہلا فرض یہ تھا کہ گرگام پولیس اسٹیشن پر اس واردات کی رپورٹ کرے۔ چنانچہ پہلے وہ سیدھا پولیس اسٹیشن پر پہونچا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے قتل کی رپورٹ کی۔ اسٹیشن انچارج نے ایک سب انسپکٹر کی سرکردگی میں ضروری عملہ کو جائے واردات پر روانہ کر دیا۔ حمید اُن کے ساتھ تھا۔ پولیس سرجن کے ابتدائی معائنہ اور رپورٹ نے حمید کے اندازے کی تصدیق کر دی۔ سرجن کے بیان کے مطابق جس وقت اس

نے لاش کا معائنہ کیا تو اسے قتل ہوئے ایک سے دو گھنٹے
گزر چکے تھے۔

پولیس اسٹیشن پر اپنا موجودہ پتہ نوٹ کرانے کے بعد حمید ریسٹ ہاؤس پہونچا۔ میجر مختار لائبریری میں کرنل زاہد سے کسی مسئلہ پر گفتگو کر رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر ان دونوں نے اپنی بات چیت ختم کر دی۔ مہ جبیں آگئی تھی اور اس وقت شاہد کے کمرہ میں موجود تھی۔

"میرے جانے کے بعد شاہد صاحب کہیں گئے تو نہیں تھے"
حمید نے میجر مختار سے پوچھا۔

"نہیں، کیوں۔"

"آپ کو یقین ہے" حمید نے زور دے کر پوچھا۔ "میرا مطلب ہے ایسا تو نہیں ہوا کہ آپ یہاں کرنل صاحب کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہوں اور شاہد صاحب بغیر آپ کی نگاہ میں آئے چلے گئے ہوں۔"

"زاہد تو ابھی آئے ہیں" میجر مختار نے جواب دیا۔ "تمہارے جانے کے بعد میں شاہد کے پاس ہی چلا گیا تھا اور کوئی دس منٹ پہلے اٹھ کر آیا ہوں۔"

"مگر تم یہ سوالات کس مقصد سے پوچھ رہے ہو کیپٹن" کرنل زاہد نے پوچھا۔ اسی وقت رحمت کسی کام سے لائبریری کے سامنے سے

گزرا۔ حمید نے کرنل زاہد کی بات کا جواب دینے کی بجائے رحمت کو آواز دے کر بلایا "دیکھو وہ بوڑھا سیاح اپنے کمرے میں موجود ہو تو اسے کہو کہ کرنل صاحب پانچ منٹ کے لئے اس سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"وہ سیاح تو چلا گیا" رحمت کے بجائے میجر مختار نے جواب دیا۔

"کب" حمید چونک کر میجر مختار کی طرف گھوم گیا۔

"کوئی ایک گھنٹہ پہلے کی بات ہے۔" میجر مختار نے بتایا۔ "میں شاہد کے کمرہ میں بیٹھا تھا کہ وہ میرے پاس آیا اور کہنے لگا کرنل صاحب تو موجود نہیں ہیں پتہ نہیں کب تک واپس آئیں اور مجھے ایک فوری کام کے سلسلہ میں ابھی دس بجے والی ٹرین سے جانا پڑ رہا ہے۔ کمرہ کا کرایہ میں ایک ماہ کا پیشگی ادا کر چکا ہوں اس لئے آپ یہ کمرہ کی چابی لے لیں کرنل صاحب آئیں تو ان سے میری جانب سے معذرت کر لیں کہ ملے بغیر واپس جا رہا ہوں۔"

"تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا کیپٹن" کرنل زاہد نے ترش لہجہ میں کہا "میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آخر تمہارے اس قسم کے سوالات کا کیا مقصد ہے۔"

"آپ کی پرانی ملازمہ کریماً آج صبح نو بجے کے قریب قتل کر دی گئی ہے۔" حمید نے کرنل زاہد کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا "کسی نے

اُسترے سے اس کا گلا کاٹ دیا ہے ۔"

" اُف خدایا " میجر مختار کے مُنہ سے بے اختیار نکلا " تو وہ یہاں گڑگام میں ہی رہتی تھی ۔"

" جی ہاں " حمید نے جواب دیا " اور آپ چاہیں تو کرنل صاحب سے یہ سوال کر سکتے ہیں کہ جب کریما شروع ہی سے گڑگام میں مقیم تھی تو انہوں نے آپ سے غلط بیانی کیوں کی ۔"

" کیپٹن حمید " کرنل زاہد کا چہرہ غصہ میں سُرخ ہو گیا تھا " اپنی حد کے اندر رہ کر بات کرنا سیکھو ۔ میں کسی کے سامنے اپنے قول وفعل کے لئے جوابدہ نہیں ہوں ۔ لیکن اس کے باوجود جب ایک سوال تمہاری زبان تک آ ہی گیا تو میرا جواب بھی سن لو ۔ کریما صرف ایک ملازمہ تھی اور مجھے اپنے ملازموں کے نجی معاملات سے کبھی اتنی دلچسپی نہیں رہی کہ ان کی آمدورفت یا نقل وحرکت کا کوئی ریکارڈ رکھنا شروع کر دوں ۔ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ وہ گڑگام چھوڑ کر چلی گئی ہے اور یہ ہی بات میں نے میجر مختار کے سامنے دہرا دی تھی وہ گڑگام سے جا بھی سکتی تھی اور واپس بھی آ سکتی تھی اور دونوں صورتوں میں مجھے اس کا علم ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی ۔"

" مجھے تعجب ہے " حمید نے کسی قدر طنزیہ لہجہ میں کہا " کہ میری بات سن کر آپ نے پہلا اعتراض یہ کیوں نہیں کیا کہ آپ کو

مگر کام میں کریٹا کی موجودگی چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تم نے کیا بتایا تھا" میجر جیسے چونک کر حمید سے مخاطب ہوتے "کسی نے استرے سے اس کا گلا کاٹ دیا ہے۔ مگر .... شاہد تو ......"

"نہیں میجر صاحب" حمید نے سر ہلایا "اگر شاہد مستقل طور پر یہاں موجود تھا تو کم سے کم اس قتل کی ذمہ داری اس پر نہیں ڈالی جا سکتی۔ یہ درست ہے کہ رات اسی علاقہ میں کسی نے دو بھیڑوں کے گلے بھی کاٹ دیئے ہیں مگر تعاقب کے باوجود میں اس کی صورت نہیں دیکھ سکا تھا۔"

" مگر تم تو کہتے تھے کہ شاہد کو خود اس کے کمرے سے نکلتے دیکھا تھا۔" میجر مختار نے کہا "اور بعد میں کمرہ بھی خالی نظر آیا تھا۔"

"میں ابھی یہ نہیں کہہ رہا کہ ان بھیڑوں کی موت میں شاہد کا ہاتھ نہیں ہے اگر وہ اس سے پہلے طوطے نگلتے اور بلی کو دورہ کی حالت میں ہلاک کر سکتا ہے تو بھیڑوں کو بھی مار سکتا ہے میں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اس بوڑھے سیاح کی ذات بھی میرے نزدیک شبہ سے بالاتر نہیں ہے۔ شاید میں نے آپ کو ابھی تک یہ نہیں بتایا تھا کہ کل رات وہ بھی موتی جھیل کے آس پاس موجود تھا۔ پھر اس کا یوں اچانک چلے جانا اور بھی

بیماری میں مبتلا نہ ہو اور کوئی ایسا شخص جسے اس خونی روایت کا بخوبی علم ہے اپنے کسی ذاتی فائدہ یا غرض کی بنا پر اس کے گرد مسلسل ایسے حالات پیدا کر رہا ہو کہ شاہد کو اپنا ذہنی توازن قائم رکھنا مشکل ہو جاتے۔"

"نانسنس۔ مجھے حیرت ہوئی کہ آپ کے دماغ میں بھی ایسے لچر خیالات آ سکتے ہیں" کرنل زاہد منہ بگاڑ کر بولا۔

"کچھ ایسے ہی خیالات کا اظہار حمید صاحب نے بھی کیا تھا" میجر مختار نے کہا" مجھے یقین ہے کہ آپ کے پاس اس خیال کی کوئی معقول وجہ بھی ضرور ہو گی لیکن آپ نے اس پر بھی غور کیا کہ آپ کے اس نظریہ کی صحت کو تسلیم کرنے کے معنے یہ ہوں گے کہ میں، زاہد، یا مہہ جبیں میں سے کوئی شاہد کا اس حد تک دشمن ہے کہ اسے جیتے جی زندہ درگور کرنے پر تلا ہوا ہے"

"آپ نے ایک ایسی بات پوچھی ہے جس کا جواب سردست میں آپ کو نہیں دے سکتا اور دینے کی کوشش بھی کروں تو آپ کو مطمئن نہیں کر سکے گا" فریدی نے جواب دیا اور حمید کی طرف دیکھ کر بولا" ذرا مہہ جبیں کو بلانا"

"آپ کو کیا معلوم کہ وہ اس وقت یہاں ہے" حمید نے چونک کر پوچھا۔

"کسی کیس کو ہاتھ میں لینے کے بعد میں آنا ہے خبر تو نہیں رہتا

کہ مجھے اس کے اہم کرداروں کی نقل وحرکت کی اطلاع بھی نہ ہو۔"
فریدی نے مسکراتے ہوتے کہا اور کرنل زاہد کے چہرہ پہ ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔

مہ جبیں جس کا مسکراتا ہوا چہرہ وڈ دن کے اندر ہی فکروپریشان کی دھوپ سے مرجھا کر رہ گیا تھا فریدی کو دیکھ کر خوشی سے اُچھل پڑی۔

"اوہ انکل" وہ پُرجوش لہجے میں بولی "میں تو مایوس ہو چلی تھی کہ شاید آپ کبھی آئیں گے ہی نہیں۔"

"بیٹھ جاؤ مہ جبیں" فریدی نے سنجیدگی سے کہا "مجھے احساس ہے کہ آجکل تمہارے جذبات کی کیا کیفیت ہوگی۔ شاہد اس وقت جس ذہنی ابتری سے دوچار ہے۔ میں ابھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ کسی منحوس بددعا کا اثر ہے یا کسی چالاک دماغ کی سوچی ہوئی سازش کا۔ میں نے مختلف ذرائع سے اس الجھے ہوتے سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے تحقیق حال بھی کی ہے۔ مگر ابھی میری حاصل کردہ تمام معلومات کی حیثیت کسی معمہ کی بکھری ہوئی کڑیوں سے زیادہ نہیں ہے۔ ان تمام بکھری ہوئی کڑیوں کو ایک مربوط سلسلہ میں پرونے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے مجھے ایک تجربہ کرنا ہے اور تم چاہو تو اس میں میری مدد کر سکتی ہو۔"

"میں شاہد کے لئے اپنی زندگی بھی دے سکتی ہوں انکل" مہ جبیں

موت کے منہ میں کود رہی ہو ۔"

"آپ اطمینان رکھیں کرنل صاحب" فریدی نے کہا "ہم مہ جبیں کی پوری طرح حفاظت کریں گے۔ خدا نے چاہا تو اسے کوئی نقصان نہیں پہونچے گا۔"

۱۷

وہ رات مہ جبیں کے لئے ہی نہیں بلکہ متعلقہ افراد میں سے تقریباً ہر شخص کے لئے ایک یادگار رات تھی۔ کرنل زاہد کو بمشکل آمادہ کرنے کے بعد فریدی نے بند کمرہ میں تقریباً دو گھنٹہ تک شاہد سے گفتگو کی۔ اس گفتگو میں کیا باتیں زیر بحث آئیں، فریدی نے شاہد سے کیا پوچھا اور شاہد نے اس کا کیا جواب دیا حمید لاکھ سر پٹکنے پر بھی فریدی سے معلوم نہیں کر سکا۔ کرنل زاہد نے جب یہ دیکھا کہ اس کی مخالفت فریدی کو اس تجربہ سے باز نہیں رکھ سکے گی تو وہ اس تجربہ کے نتیجہ میں کسی سنگین واقعہ کی پیش گوئی کرنے کے بعد اپنے کمرہ میں جا کر بیٹھ گیا اور پھر رات کے بارہ بجے تک کسی نے اس کی صورت نہیں دیکھی۔ خود فریدی شاہد سے گفتگو کرنے کے بعد ایسا غائب ہوا کہ دس بجے رات سے پہلے واپس نہیں لوٹا۔

مہ جبیں کے لئے اُس کمرہ میں سونے کا بندوبست کیا گیا تھا جو بند پڑا ہوا تھا۔ میجر مختار اپنے مخصوص کمرہ میں تھے اور فریدی نے حمید کے کمرہ میں ایک آرام کرسی کو اپنا ٹھکانا بنا لیا تھا پورے ماحول پر ایک ایسا سکوت چھایا ہوا تھا جو عموماً کسی طوفان کا پیش خیمہ سمجھا جاتا ہے۔ ہر فرد اپنی جگہ مضطرب اور پریشان تھا کہ دیکھئے آج کی رات اپنے دامن میں کون سی طاقت سامانیاں لے کر آ رہی ہے۔

گیارہ بجے تک سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ فریدی نے مہ جبیں کے کمرہ کے ہر دروازہ اور کھڑکی کا بطور خود معائنہ کیا تھا اور برآمدہ والے دروازہ کے لئے پہلے سے موجود مقفل قفل کو کافی نہ سمجھتے ہوئے ایک اور کنڈی اندر کی جانب لگوا کر مہ جبیں کو تاکید کر دی تھی کہ سونے کیلئے لیٹنے سے پہلے اسے ضرور بند کر لے۔ اور جب حسب معمول رحمت رات کے گیارہ بجے شاہد کے کمرہ میں دودھ کا گلاس رکھ آیا تو خود فریدی نے اس کے کمرہ کا دروازہ باہر سے مقفل کرتے ہوئے چابی اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔

گیارہ سے ساڑھے گیارہ بجے۔ حمید کے مشورہ کے خلاف فریدی نے کمرہ کے اندر بیٹھ کر انتظار کرنا بہتر سمجھا اس عالم میں نیند آنے کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ حمید پے در پے

پائپ پیتا ہوا کمرہ میں چکر لگا رہا تھا اور فریدی اس کے اضطراب کو دیکھ کر گا رہا ہے گا ہے۔ مسکرانے کے علاوہ جیسے پورے ماحول سے قطعی بے نیاز مزے سے آرام کرسی پر بیٹھا ہوا کوئی کتاب پڑھنے میں منہمک تھا۔

ساڑھے گیارہ کا گھنٹہ بجے ہوتے ابھی کچھ دیر ہی گزری تھی کہ رات کے پھیلے ہوتے سناٹے میں کسی دروازہ کے آہستگی کے ساتھ کھلنے کی آواز آئی۔ حمید ٹہلتے ٹہلتے ٹھٹک گیا اور سوالیہ نظروں سے فریدی کی جانب دیکھنے لگا۔

"ابھی ٹھہرو فرزند" فریدی نے اطمینان سے کہا "ڈرامہ ابھی کلائمکس پر نہیں پہونچا ہے"

حمید نے کچھ کہنے کیلئے منہ کھولا تھا کہ الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے۔ کوئی ان کے کمرہ کے دروازہ کو ناخنوں سے کھرچ رہا تھا۔ ساتھ ہی اس طرح سانسیں لینے کی آواز آ رہی تھی جیسے کوئی خونخوار درندہ اپنے شکار تک پہونچنے کے لئے بیقرار ہو۔

کھرچنے کی آواز دفعتاً رک گئی۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی قریب ہی کسی اور کمرہ کے دروازہ پر دستک دے رہا ہے کھرچنے اور ہانپنے کی آوازیں پھر ابھریں۔ ساتھ ہی مہ جبیں کی چیخ بھی، حمید لپک کر دروازہ کی طرف بڑھا۔ فریدی نے جو خود بھی اٹھ چکا تھا حمید کا بازو پکڑ لیا اور ہاتھ کے اشارہ سے کچھ توقف کرنے کے لئے

کہا۔ اچانک کچھ اس طرح کی آواز آئی جیسے کسی نے کوئی چیز کسی دوسری چیز پہ ماری ہو اور ساتھ ہی ایک ہلکا دھماکہ ہوا۔ فریدی اور اس کے ساتھ ہی حمید بھی تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلے۔

مہ جبیں کے دروازہ کے سامنے کرنل ناہد فرش پر پڑے ہوئے کسی کے جسم پر جھکا ہوا تھا۔ فریدی لپک کر کرنل کے قریب پہونچا۔ حمید اس کے پیچھے ہی تھا اور اس نے دیکھا کہ بیہوش پڑے ہوئے شاہد کے ہاتھ میں ایک کھلے ہوئے استرے کا پھل برآمدہ کی ہلکی روشنی میں چمک رہا ہے۔ دوسرے لمحہ میجر مختار بھی آ گئے۔ فریدی کی آواز پر مہ جبیں بڑی مشکل سے دروازہ کھول سکی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی چہرہ اس قدر سفید اور وحشت ناک ہو رہا تھا کہ حمید کو اندیشہ ہوا کہ کہیں اس کے دل کی دھڑکن بند نہ ہو جائے۔ میجر مختار نے بڑھ کر اسے سہارا دیا۔ مہ جبیں نے فرش پر پڑے ہوئے شاہد کو دیکھا اور کسی ایسے بچے کی طرح جس کے ہاتھ سے اس کا محبوب کھلونا لے کر توڑ دیا گیا ہو پھوٹ پھوٹ کر روتی ہوئی میجر مختار سے لپٹ گئی۔

شاہد کو اٹھا کر اس کے کمرہ میں لایا گیا۔ میجر مختار کسی ڈاکٹر کو فون کرنے لگے لیکن فریدی نے روک دیا۔

" اس کی کوئی ضرورت نہیں میجر صاحب " وہ بولا " شاہد سر پہ چوٹ لگنے کی وجہ سے بیہوش ہے۔ میں اسے انجکشن دیتا ہوں ابھی ہوش آ

جاتے گا۔ آج کی رات ایک اور اجنبی کو بلانے کا خطرہ مول مت لیجئے ''

پتہ نہیں میجر مختار نے فریدی کے آخری فقرہ کو سنا تھا یا نہیں یا سنا تھا تو اس عجیب جملہ کا کیا مطلب لیا تھا۔ مگر حمید بڑی دیر تک فریدی کے آخری الفاظ سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہا۔ کہ آخر یہ کہنے سے اس کا کیا مطلب تھا۔

فریدی نے اپنے کمرہ سے بیگ لاکر پتہ نہیں کس دوا کا انجکشن اسے دیا کہ تقریباً دس منٹ کے بعد ہی شاہد نے آنکھیں کھول دیں۔ آنکھیں کھول کر اس نے اپنے بستر کے قریب کھڑے ہوئے تمام چہروں کو باری باری دیکھا۔ مہ جبیں کو دیکھ کر وہ بُری طرح چونکا۔

'' خدا کے لئے بتایئے '' وہ فریدی کا ہاتھ پکڑ کر بولا '' آج دورہ کی حالت میں میں نے کیا کیا ہے۔ ''

'' تم مہ جبیں کے دروازہ کے سامنے ہاتھ میں کھلا اُسترا لئے بیہوش پڑے پائے گئے تھے۔ '' یہ کرنل زاہد کی آواز تھی۔

'' او خدا تو میرا پاگل پن یہاں تک بڑھ گیا ہے '' شاہد نے ایک مجنونانہ انداز سے پلنگ کی پٹی پر سر پٹکتے ہوئے کہا۔ '' میں مہ جبیں کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ اس ہستی کو جسے میں نے اپنی زندگی کہا تھا مجھے مرجانا چاہیئے مجھے مرجانا چاہیئے '' شاہد کا ہاتھ تکیہ کے نیچے رینگ کر گیا۔ اس نے کوئی چیز تکیہ کے نیچے سے نکالی اور چاہتا تھا

کہ منہ میں رکھ لے کہ فریدی نے پھرتی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ کیا نادانی ہے" وہ بولا اور شاہد کی مٹھی پکڑ کر کھول دی۔ ہتھیلی پہ ایک کیپ سول چمک رہا تھا۔ فریدی نے اسے اٹھا کر کمرہ میں ایک طرف پھینک دیا۔

"مجھے مَر جانے دیجئے فریدی صاحب" شاہد بچوں کی طرح پھوٹ کر رو دیا "مَیں پاگل ہوں۔ میں دیوانہ ہوں۔ زندگی بھر اس عذاب میں جینے سے کہیں بہتر ہے کہ میں اپنے ہاتھوں اپنی زندگی کا خاتمہ کر لوں"

"کون کہتا ہے تم پاگل ہو" فریدی کی آواز نہیں ایک دھماکہ خیز بم تھا۔ جس نے کمرہ میں موجود ہر فرد کو چونکا دیا۔ حمید نے گھور کر فریدی کی جانب دیکھا۔

"کون کہتا ہے تم پاگل ہو۔" فریدی نے پھر کہا "تم اتنے ہی ہوش مند ہو جتنا کوئی نارمل انسان ہو سکتا ہے۔"

"تو پھر.... تو پھر.... یہ سب کیا ہے یہ دورے کیسے ہیں جو مجھ پر پڑتے ہیں وہ خون کس کا تھا جو میں نے اپنے ہاتھوں پہ دیکھا تھا وہ پیاس کس قسم کی تھی جو میرے حلق سے پانی نہیں اترنے دیتی تھی وہ شکلیں کیا تھیں جو مجھے کمرہ کی تنہائی میں نظر آتی تھیں.. .... نہیں فریدی صاحب مجھے بچوں کی طرح بہلانے کی کوشش مت کیجئے۔"

"یہ سب باتیں جو تم نے بیان کیں اور وہ ساری کیفیات جن کا تمہیں تجربہ ہوا ایک خوفناک زہر کا کرشمہ تھیں جو رفتہ رفتہ تمہاری رگوں میں پہونچایا جا رہا تھا" فریدی نے کہا اور گھوم کر میجر مختار کی طرف دیکھ کر بولا "میجر صاحب آپ تو ڈاکٹر ہیں کیا یہ خصوصیات سن کر آپ کے ذہن میں کوئی خاص نام نہیں اُبھرتا۔"

"اُف خدایا" میجر مختار نے اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرا "یہ تو سب دھتورے کے زہر کی علامات ہیں، تعجب ہے کہ مجھے آج سے پہلے ان کا خیال کیوں نہیں آیا۔"

"اس لئے کہ آپ کے ذہن پر ایک روائتی بدعا کا خیال اتنا غالب تھا کہ وہ کچھ اور سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر میں نے رحمت کی زبانی شاہد کی اس کیفیت کا حال سن کر ہی سمجھ لیا تھا کہ اسے دھتورے کا زہر استعمال کرایا جا رہا ہے (یہاں حمید نے چاہا کہ وہ سوال کرے کہ آپ نے رحمت سے یہ سب باتیں کب معلوم کی تھیں مگر وہ قصداً خاموش رہا) میرے شبہ کی تصدیق بھی جلد ہی ہو گئی۔ کیا یہ جا رہا تھا کہ جس رات شاہد پر اس دورہ والی کیفیت کو طاری کرنا مقصود ہوتا تو اُس کے دودھ کے گلاس میں زہر کی ایک خوراک ڈال دی جاتی تھی۔ زہر کا اثر بڑی بڑی شکلوں کے نظر آنے سے شروع ہوتا اور شاہد کی بیہوشی پر ختم ہوتا۔ اسی بیہوشی کی حالت میں شاہد کو عجیب دہشت ناک خواب بھی نظر آتے

دوسری طرف کرتی اور ایک تیز دھار استرے سے حلقوم کاٹتے ہی، کٹتے اور بلی کو ذبح کرتا اور اس کا خون لاکر یا تو شاہد کے ہاتھوں پر مل دیتا یا واش بیسن میں ہاتھ دھو کر خون سے رنگین پانی اور تولیہ پر سرخ دھبے اس لئے چھوڑ دیتا کہ جب شاہد صبح کو سو کر اٹھے تو اسے یقین ہو جائے کہ یہ سب اسی نے دورہ کی حالت میں کیا ہے۔ مزید یقین دلانے کے لئے استرا بھی اس کے پلنگ کے پاس ڈال دیا جاتا ہے"

"کیا لغو باتیں کر رہے ہو کرنل فریدی" کرنل زاہد نے کہا "تمہارے اسسٹنٹ کیپٹن حمید نے خود شاہد کو اپنی آنکھوں سے کمرہ سے نکلتے دیکھا تھا۔"

"جی نہیں" فریدی نے جواب دیا "حمید نے صرف ایک سیاہ پوش کو شاہد کے کمرہ سے نکلتے دیکھا تھا۔ وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا" وہ شاہد کی طرف متوجہ ہوا "آنکھ کھلنے پر جو پیاس تمہیں محسوس ہوتی تھی وہ دھتورے کی ایک خاص علامت ہے اس کا پینے والا جب ہوش میں آتا ہے تو اسے اپنا گلا خشک اور گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پانی پینے کی کوشش کرتا ہے تو گلے کے اعصاب کام کرنے سے انکار کر دیتے ہیں اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ پانی اس کے حلق سے نیچے نہیں اتر رہا ہے۔ شیو بناتے وقت ہاتھوں میں رعشہ بھی اسی کے باعث تھا۔ کسی کو معلوم

بتایا کہ اس رعشہ کے باعث تم شیو بناتے وقت اپنا چہرہ زخمی کر دو گے اور زخموں پر لوشن یا کریم بھی لگاؤ گے چنانچہ یہ دونوں چیزیں بھی دھتورے کی آمیزش سے پاک نہیں تھیں یہ ہی وجہ تھی کہ انہیں استعمال کرنے کے بعد تمہیں زخموں میں سکون محسوس ہونے کے بجائے جلن اور درد محسوس ہوتا تھا۔"

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس طوطے کتے اور بلی ..... " میجر مختار نے کہنا شروع کیا "کا خون شاہد نے ہرگز نہیں کیا تھا " فریدی نے ان کی بات کاٹ کر فقرہ پورا کرتے ہوئے کہا " یہ ہی نہیں ان دو بھیڑوں کی موت بھی کسی اور ہی کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اور قاتل نے جانوروں کے قتل پر ہی اکتفا نہیں کیا جب اسے اپنا راز کھلنے کا خطرہ ہوا تو اس نے ملازمہ "کریا" کا گلا کاٹ کر اپنے گناہوں میں ایک انسانی قتل کا اضافہ بھی کر لیا۔"

" اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بوڑھا سیاح ہی ان تمام واقعات کا ذمہ دار تھا۔ " کرنل زاہد نے کہا

"جی نہیں " فریدی عجیب لہجہ میں بولا " میں جانتا ہوں کہ حمید کی جیب سے رپورٹ اس نے چرائی تھی۔ اس رات جس سایہ کو حمید نے شاہد کے کمرہ سے نکلتے دیکھا تھا وہ بھی وہ ہی تھا رحمت۔ سے شاہد کی بیماری کی کیفیت اور ملازمہ "کریا" سے کچھ

پرانے واقعات پوچھنے کی غلطی بھی اسی سے ہوئی تھی مگر اس کے باوجود کرنل زاہد ہم اسے اس گہری اور ناپاک سازش کا مجرم نہیں سمجھ سکتے۔"

"تو پھر وہ کون تھا جسے شاہد سے اتنی دشمنی تھی" میجر مختار نے پوچھا۔

"کوئی ایسا شخص جو شاہد سے اپنی نفرت کا انتقام لینا چاہتا تھا" فریدی نے جواب دیا۔

"مگر شاہد سے اتنی شدید نفرت کیسے ہو سکتی ہے" یہ سوال بھی میجر مختار نے ہی کیا تھا۔ مگر فریدی نے جواب دینے کی بجائے ایک بڑا عجیب اور بظاہر غیر متعلق سوال خود میجر مختار سے پوچھ لیا۔

"میجر صاحب! خدا کی قسم کھا کر کہیے کہ یہ شبہ سب سے پہلے آپ کے ذہن میں کب پیدا ہوا کہ شاہد کہیں آپ کا بیٹا تو نہیں ہے"

حمید اور جمید کے ساتھ مہ جبیں نے بھی بُری طرح چونک کر فریدی کی طرف دیکھا مگر فریدی کی نگاہیں میجر مختار پر جمی ہوئی تھیں۔

"کرنل فریدی" میجر مختار ایک افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ بولے "بخدا آپ جادوگر ہیں یا پھر آپ کو دوسرے کے دل و دماغ میں جھانکنے کی کوئی غیر انسانی قوت حاصل ہے۔ آپ نے صحیح کہا بارہا یہ عجیب سوال میرے اپنے دل میں پیدا ہو چکا ہے مگر میں اسے منہ

سے نکالتے ہوئے ڈرتا تھا۔ وجہ یہ ہی تھی کہ مجھے خود اس بارے
میں کوئی یقین نہیں تھا۔ شاید آپ جانتے ہیں کہ میں سعیدہ سے
محبت کرتا تھا۔ ایک رات وہ میرے پاس آئی۔ کسی خلاف معمول
واقعہ سے وہ حد درجہ سہمی ہوئی تھی۔ میں نے اسے تسلی دی
رات کا وقت تھا اور ہم دونوں تنہا تھے۔ اس سے قبل ہمیں
یوں یکجائی کا موقع کبھی نہیں ملا تھا۔ حالات اور ایک دوسرے
کے قرب نے ہمیں ازخود رفتہ بنا دیا۔ میں نہیں جانتا کہ جو کچھ ہوا
کیوں ہوا۔ اور کیسے ہوا مگر جب ہمیں ہوش آیا تو ہم گناہ گار
بن چکے تھے۔ اس گناہ کی ندامت میرے ضمیر پر اتنی زیادہ تھی کہ
میں فوراً دوسرے دن ہی خود اپنی خدمات حکومت کو پیش کرکے
جنگ پر چلا گیا۔ اور سعیدہ نے اپنے آپ کو سزا دینے کے لئے
زاہد سے شادی کرلی۔ اس وقت یا اس کے بعد بھی ہمیں یہ خیال
نہیں آیا کہ ہمارا گناہ کوئی جیتی جاگتی شکل بھی اختیار کر سکتا ہے
زاہد کے ساتھ چٹ پٹ شادی نے اس مسئلہ کو اور الجھا دیا
شادی کے ۹ ماہ بعد جب مجھے شاہد کے پیدا ہونے کی
اطلاع ملی تو مجھے قطعاً یہ خیال نہیں آیا کہ وہ میرا بیٹا بھی ہو
سکتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر ۔ ۔ ۔ ۔ مگر جب میں نے یہاں آکر
دیکھا تو ۔ ۔ ۔ ۔ جس طرح اچانک اس کی محبت میرے دل میں
پیدا ہوگئی اور کچھ اس کی باتیں کرنے کے انداز دیکھ کر مجھے ایک

موہوم سا شبہ ہوا کہ کہیں وہ میرا اپنا خون تو نہیں مگر سعیدہ نے کبھی مجھے اس بارے میں اشارتاً بھی نہیں لکھا تھا میں کس بنیاد پر اتنی بڑی بات منہ سے نکال کر سب کی زندگیوں میں زہر گھول سکتا تھا،،

،، میجر مختار جس بات کو ایک باپ کی نگاہ نہ پہچان سکی اسے ایک رقیب کی نظر نے پہچان لیا تھا،، فریدی نے کہا ،،کبھی آپ نے غور کیا کہ شاہد کے بات کرنے کے علاوہ اس کا دہانہ آپ کے دہانے سے اور اس کی پیشانی آپ کی پیشانی سے کس قدر مشابہہ ہے۔ اور یہ مشابہت زیادہ تھی کہ ایک رقیب کا دل اسے محض اتفاق تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں تھا۔ اس نے سعیدہ کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنی لغزش کا حال اس سے بیان کرے۔ سعیدہ اپنے اعتراف گناہ کے نتیجہ میں موتی جھیل کی گہرائیوں میں دفن کر دی گئی جس رات یہ حادثہ ہوا ہے کریما اس کے ساتھ تھی اور اس نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کرنل زاہد نے جان بوجھ کر کشتی کو ڈبویا۔ اور اس وقت تک سعیدہ کو پانی میں دباتے رہا جب تک اس کی موت کا یقین نہیں ہو گیا۔ کریما" اس راز کی حفاظت کے عوض زندگی بھر کرنل سے معقول معاوضہ پاتی رہی۔ مگر سعیدہ کو مار کر کرنل کا انتقام پورا نہیں ہوا تھا اسے ابھی آپ سے انتقام لینا تھا اور اس کا طریقہ اس کے جنونی دماغ نے جس میں اپنے خاندان

کا تمام دیوانہ پن سمٹ آیا تھا یہ سوچا کہ وہ شاہد کو پالے پرورش کرے اور جب وہ اس قابل ہو جائے کہ کوئی بھی باپ اس جیسی اولاد کو پاکر کھونے کا غم برداشت نہ کر سکے تب اسے اپنے ہاتھ سے اپنی زندگی ختم کرنے پر مجبور کردے اور اس کی لاش پر کھڑے ہو کر اس راز کا انکشاف کرے کہ شاہد اس کا نہیں میجر مختار کا بیٹا تھا۔"

"میں تمہاری بکواس کو اب تک بڑے صبر سے سنتا رہا ہوں" اچانک کرنل زاہد چیخا "مگر کرنل فریدی تم جو اپنے آپ کو عظیم ترین سراغرساں سمجھتے ہو تم بھی میرے خلاف ان میں سے ایک بھی الزام ثابت نہیں کر سکتے۔ میں تم سے ان تمام ہرزہ سرائیوں کا گن گن کر بدلہ لوں گا۔"

"میں کبھی کوئی کام ادھورا نہیں چھوڑتا کرنل زاہد" فریدی کے لہجہ میں ایسی سفاکی تھی کہ سننے والے چونک گئے۔ "تم شاید یہ خیال کر رہے ہو کہ "کریما" کو قتل کرنے کے بعد تم نے وہ اینٹ ہی ڈھا دی ہے جس پر میں نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی تھی۔ مگر یہ تمہاری بھول ہے "کریما" قتل سے پہلے دو گواہوں کے سامنے اپنا بیان دے چکی ہے۔ کل میں نے حمید کو فون اس لئے نہیں کیا تھا کہ اسے "کریما" کے پیچھے لگا کر اس کی زبان کھلوانے کی کوشش کروں۔ کوئی ذمہ دار آفیسر اتنا غیر محتاط نہیں ہو سکتا کہ"

اس شخص کے فون پر جیسے وہ مجرم خیال کرتا ہو اپنے ماتحت سے
اس طرح کی اہم باتیں بیان کرے۔ مجھے یقین تھا کہ فون کے
ایکسٹنشن پر تم میری اور حمید کی گفتگو سُن رہے ہو اور یہ سنتے ہی
کہ میں کریا تک پہونچنے کا ارادہ کر رہا ہوں تم اسے راستہ سے
ہٹانے کی کوشش کرو گے۔ غلطی مجھ سے یہ ہوئی کہ میں اس کا
اندازہ نہیں کر سکا کہ تم فوری عمل کرنے پر تیار ہوجاؤ گے یا رات کا
انتظار کرکے یہ قتل بھی شاہد کے سر منڈھنے کی کوشش کرو
گے۔ مجھے افسوس ہے کہ چند لمحہ کی دیر سے تم اپنے ناپاک مقصد
میں کامیاب ہوگئے۔ اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی میں کریا کی
طرف بھاگا تھا مگر تم اتنے میں اپنا کام کر چکے تھے۔ اسے بھی جانے
دو آج رات کی بات لو شاہد کا دروازہ میں نے خود اپنے ہاتھ سے
بند کیا تھا اور کنجی میری جیب میں تھی مگر اس کے باوجود شاہد
باہر نکل آیا۔ تم شاید یہ کہو کہ اس کے پاس کوئی دوسری
چابی تھی۔ مجھے دوسری چابی کے وجود سے انکار نہیں مگر وہ
دوسری چابی شاہد کے نہیں تمہارے پاس تھی۔ دروازہ تم نے کھولا
تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ دروازہ کے مقفل قفل پر میں نے
دونوں طرف ایک ایک بال چپکا دیا تھا۔ شاہد اگر دروازہ
کھولتا تو اندر کے سوراخ کا بال گرا ہوا ہونا چاہیئے تھا۔ مگر باہر
کے سوراخ سے بال کے غائب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دروازہ

باہر سے کھولا گیا اور باہر سے کھولنے والے صرف تم تھے کرنل زاہد"

شاید کمرہ میں موجود کسی شخص نے بھی غور نہیں کیا تھا کہ جب فریدی نے شاہد کے ہاتھ سے زہر کا کیپ سول نے کر پھینکا تھا تو خدا معلوم دانستہ یا غیر دانستہ اس کا رخ کرنل زاہد کی طرف تھا اور شاید یہ بھی فریدی کے سوا کسی نے نہ دیکھا ہو کہ کیپ سول زمین پر گرتے ہی اسے کرنل زاہد نے اٹھا لیا تھا۔ پہلی مرتبہ یہ انکشاف اس وقت ہوا جب اچانک کرنل زاہد نے ایک ہذیانی قہقہہ کے ساتھ چلا کر کہا "میں مانتا ہوں کرنل فریدی تم مجھ سے زیادہ بڑے شیطان اور مجھ سے کہیں زیادہ دیوانے ہو مگر آخری جیت پھر بھی میرے ہاتھ میں ہے تم مجھے قانون کے حوالے نہیں کر سکو گے فتح کا یہ احساس میں تمہیں نہیں دوں گا۔"

اور یہ کہہ کر کرنل زاہد نے ہاتھ میں پکڑا ہوا کیپ سول منہ میں ڈال کر کسی پاگل ہی کی طرح چبا ڈالا۔ میجر مختار بے اختیار اس کی جانب لپکا مگر فریدی کے جسم کو حرکت نہیں ہوئی اس نے ایک ہی بار سر کو جھٹک کر کہا "بیکار ہے میجر وہ سائنائڈ کا کیپ سول تھا اور شاید اس کے حق میں یہ ہی بہتر تھا۔"

"اف پروردگار" میجر مختار کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی کرنل زاہد کے جسم پر لگی ہوئی تھیں جو ایک دھماکے کے ساتھ کمرہ کے فرش پر گر کر بے حس و حرکت ہو گیا تھا "کون تصور کر سکتا تھا کہ زاہد مجھ سے

اپنی محبت کی ہار کا اتنا خوفناک انتقام بھی لے سکتا ہے۔ کوئی صحیح الدماغ انسان ایسی ذلیل حرکت نہیں کر سکتا۔"

"وہ صحیح الدماغ تھا کب۔" فریدی نے جواب دیا "اس کے خاندان میں واقعی پاگل پن موروثی بیماری کی حیثیت سے چلا آ رہا تھا مگر مجھے خوشی ہے کہ کرنل اپنے خاندان کا آخری فرد تھا۔"

"تو میں پاگل نہیں ہوں۔" شاہد خوشی سے چلایا۔

"نہیں بیٹے" مجیب مختار نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "ہمارے خاندان میں آج تک کسی کا ذہنی توازن نہیں بگڑا۔"

"مگر اس بات کی وضاحت پھر بھی نہیں ہو سکی" حمید نے فریدی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کہ مہ جبیں کو دو مرتبہ قتل کرنے کی سازش کیوں کی گئی اور کس نے کی۔"

"مہ جبیں شاہد کی بیماری سے مطمئن نہیں ہے یہ بات کرنل ناہد کو معلوم تھی" فریدی نے جواب دیا "چنانچہ جب مہ جبیں نے دارالحکومت آنے کا ارادہ کیا تو کرنل کو شبہ ہوا کہ وہ میرے پاس آ رہی ہے۔ وہ میرے اور مرحوم افتخار احمد صاحب کے تعلقات سے واقف تھا اسے خوف تھا کہ اگر میں نے اس معاملہ میں دخل دیا تو وہ اپنا انتقام پورا نہیں کر سکے گا۔ چنانچہ وہ بھی مہ جبیں کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ ٹرین میں تم نے جس پُر اسرار آدمی کو اخبار پڑھتے دیکھا تھا وہ کرنل ہی تھا میں اس کا فوٹو ڈائننگ کار کے عملہ کو دکھا کر تصدیق کر

چکا ہوں۔ مہہ جبیں پر گولی چلانے سے اس کا مقصد یہ ہی کہ وہ شاہد کے بارے میں کوئی بات مجھ سے بیان نہ کرنے پاتے۔ مگر یہاں ہوٹل میں بچھو مہہ جبیں کے لئے نہیں تمہارے لئے رکھا گیا تھا اور اس کا مقصد بھی یہ ہی تھا کہ تم تحقیقات نہ کر سکو یا تمہاری تحقیقات کم سے کم اتنے دن کے لئے ملتوی ضرور ہو جاتے کہ وہ اپنے پروگرام کے مطابق شاہد کو خودکشی پر مجبور کر دے۔ شاہد کے تکیہ کے نیچے کیپ سول اسی کا رکھا ہوا تھا اور اسی نے دورہ کی حالت میں شاہد کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ وہ جب اپنی زندگی سے عاجز ہو جائے تو یہ کیپ سول کھا کر آرام کی نیند سو سکتا ہے۔"

"اور وہ بوڑھا سیاح"، حمید نے سوال کیا "اس کا اس ڈرامہ میں کیا کردار تھا؟"

"کچھ نہیں وہ بیچارہ محض ایک سیاح تھا جس سے میں نے اپنی مرضی کے مطابق کام لیا اور جب اس کا کام ختم ہو گیا تو چلتا کر دیا۔" فریدی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اس جواب سے دوسروں کا اطمینان ہوا یا نہیں یہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ مگر جہاں تک حمید کا تعلق ہے وہ سمجھ رہا تھا کہ اس مرتبہ بھی فریدی کے الفاظ کا وہ مطلب نہیں جو بظاہر سمجھ میں آ رہا ہے۔

"ایک بات اور" میجر مختار بولے "کل رات حمید صاحب نے خود شاہد کا کمرہ دیکھا مگر وہ کمرہ میں موجود نہیں تھا۔"

"بڑی معمولی سی ترکیب تھی میجر صاحب" فریدی نے شرارت آمیز لہجہ میں جواب دیا "مجھے امید ہے کہ حمید اگر جلدی میں نہ ہوتا تو وہ اتنا گدھا بھی نہیں ہے کہ اسے پلنگ کے نیچے شاہد بے ہوش پڑا ہوا نظر نہ آجاتا۔"

ٹرین میں دارالحکومت جاتے ہوئے حمید راستہ بھر فریدی کو اپنے سوالات سے پریشان کرتا رہا مگر اس کے منہ سے یہ نہیں کہلوا سکا کہ بوڑھے سیاح کے بھیس میں خود کرنل فریدی کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا۔ تنگ آکر اس نے کہا۔

"اچھی بات ہے مت بتائیے میں بھی آپ کے اور اپنے دوستوں میں مشہور کر دوں گا کہ یہ کیس تو میں نے حل کیا ہے فریدی صاحب تو شروع سے آخر تک ششدر گشت ہی کرتے رہے۔"

ٹرین دارالحکومت کے پلیٹ فارم پر رکی تو حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ قاسم منہ پھولوں کے ہار لیے اس کے استقبال کے لئے موجود تھا۔

"پیارے حمید بھائی زندہ باد" اس نے پھولوں کے ہار حمید کے گلے میں ڈالتے ہوئے نعرہ لگایا۔ اور پھر چپکے سے بولا "اللہ قسم اب معاف بھی کر دو۔"

اور تب حمید کو یاد آیا کہ اس نے موتی جھیل کے بوٹ ہاؤس میں قاسم کو جو دھمکی دی تھی یہ سب اسی کا کرشمہ تھا۔ کوئی تعجب نہیں کہ یہ احمق بوٹ ہاؤس سے ہوٹل تک ایک ہاتھ سے کان دوسرے سے ناک پکڑے بھاگتا ہوا ہی گیا ہو۔



اثر نعمانی

۱۰ رمئی ۱۹۶۸ء

کتابت

محمد یونس بٹ راولپنڈی

عمران سریز کا آئندہ شمارہ

● ڈاکٹر ناصر مرکزی سائنٹیفک تحقیقاتی کمیٹی کے صدر ایک مہلک ایٹمی ہتھیار کے بارے میں رپورٹ دینے والے تھے مگر ایک حادثہ ... اُن سے نہ صرف نقل وحمل کی طاقت بلکہ قوتِ گویائی بھی چھین لیتا ہے۔

● سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ان کی خاموشی ایک قیمتی دریافت کے امکانات کو ہمیشہ کیلئے دفن کر دیگی۔

● عمران کو ان کی خاموش زبان سے وہ راز معلوم کرنا ہے۔ کیا وہ کامیاب ہوا ؟

● فوج سے بھاگا ہوا ایک لیفٹیننٹ جس پر ایک سوسائٹی گرل کے قتل کا جھوٹا الزام تھا۔ مگر ایک بیگناہ کی جان بچانے کیلئے وہ سچ مچ قتل پر تیار ہو جاتا ہے۔

● ٹائیگر ایک خوفی بدمعاش اور ماہرِ فن جیب کترا تھا مگر عمران اس کی جیب بھی صاف کر دیتا ہے

● عمران کی ایک خطرناک سکیم جو اگر ناکام ہو جاتی تو قانون کی نگاہ میں قتل عمد بھی ثابت کی جا سکتی تھی۔

خاموش ہنگامہ

عمران کا وہ اچھوتا کارنامہ ہے جسے اشتر نعمانی کے اسلوب نگارش نے جاسوسی ادب میں ایک سنگِ میل کی حیثیت دیدی ہے۔

اعوان پبلی کیشنز

گوالمنڈی۔ پوسٹ بکس ۱۳۱ راولپنڈی

جاسوسی دنیا کے آئندہ شمارے کی جھلک

● ۔ ریکارڈ روم سے ایک انتہائی اہم فائل غائب ہوجاتی ہے ۔ اور ساتھ ہی فریدی بھی ۔

● ۔ اور پھر ملک کی مقتدر ہستیوں کا قتل عام شروع ہو جاتا ہے ۔

● ۔ انسپکٹر آصف کیس کا انچارج ہوتا ہے ظاہر ہے کہ حمید سے گن گن کر بدلہ لینے کا یہ بہترین موقع تھا ۔ حمید کی سروس معطل کر دی جاتی ہے ۔

● ۔ فریدی کے خلاف سنگین الزامات ۔

● ۔ ایک لاش سمندر میں پائی گئی ۔ اور اخبارات چیخ پڑے کہ کرنل فریدی نے خودکشی کر لی ۔

● ۔ سیکورٹی آفیسر حسن نے وہ فائیل تیار کی تھی قتل کر دیا جاتا ہے اور اُسکے قتل کا مقصد فائیل کی دوبارہ تیاری کو ناممکن بنانا تھا یا کچھ اور .....

● ۔ ایک مرتبہ کچھ ایسے ہی حالات میں فریدی کا مخصوص اجازت نامہ ختم کیا تھا مگر اس مرتبہ ....

● ۔ حمید کی گردن فخر و غرور سے اکڑ گئی ۔ جی ہاں کرنل فریدی اس کی ماتحتی میں کام کر رہا ہے ۔

● ۔ فریدی کا ایک ایسا کارنامہ جس کے حیرت انگیز واقعات آپ کو

قدم قدم پر چونکا دیں گے

گرین فائل

اثر نعمانی کا قلم ایک نئے موڑ پر ۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ آپ اس ناول کو مدتوں فراموش نہیں کر سکیں گے ۔

اصول پبلی کیشنز

گوالمنڈی پوسٹ بکس ۱۳۱ ، راولپنڈی

لائلپور میں جاسوسی دنیا و عمران سیریز کے سول ایجنٹ

ہدایت لائبریری
بھوانہ بازار
لائلپور

کراچی
بک ڈپو
۸۴ اردو بازار
کراچی نمبرا

کراچی میں ہماری مطبوعات کے
سول ایجنٹ



محمد سجاد بھٹی، سیف الملوک عباسی، یاسر حسنین